ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

فروری ۱۹۹۵ء

NAZ
DELICIOUS PAN MASALA
جس کی خوشبو بھی پیاری
جس کی لذّت بھی پیاری
جو ہے سب کی پسند
میری مُٹھی میں بند
ہے کیا.... بتادو نا
ناز
پان مصالحہ
ASHRAF PRODUCTS
P.O. BOX 3546, KARACHI-5 (PAKISTAN)
CABLE: "TWO-IN-ONE"

FIRST-AID BANDAGE
SANIPLAST®
سنی پلاسٹ فوری امدادی پٹی
ہمیشہ اپنے پاس رکھیں
ہر زخم پٹی سنی پلاسٹ نہیں
دام دینے سے پہلے
نام ضرور دیکھ لیں۔
FIRST-AID BANDAGE
SANIPLAST
MINI PACK
چھوٹا زخم۔ فوری آرام
پیارے بچو! آپکو اسکول کے اوقات، کھیل کود اور دیگر
مشاغل میں عموماً خراش، چھالے، چھوٹے زخم لگ
جاتے ہیں۔ فوری امدادی پٹی سنی پلاسٹ استعمال
کریں.... ہمیشہ سنی پلاسٹ کو اپنے اسکول بیگ،
اسپورٹس کیٹ، کتابوں کی الماری یا جیب میں دو ایک
پٹیاں رکھیں تاکہ فوری ضرورت پر آپ SANIPLAST
فوری امدادی پٹی استعمال کر سکیں۔
سنی پلاسٹ کا پیغام
صاف ستھرا ماحول، صحت مند معاشرہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے
Marketed by:
uniferoz
UF/SP/MP/A/95
NATIONAL

لمحۂ فکریہ

سورۃ فاتحہ
کا مسلمانوں سے سوال

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے — نام اللہ کا اور کام شیطان کے
تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے — تعریف اللہ کی، تقلید غیر اللہ کی
رحمان اور رحیم ہے — رحمان و رحیم وہ، انعام و اکرام کی اُمید کسی اور سے
روزِ جزا کا مالک ہے — روزِ جزا کا مالک وہ، خوفِ سزا کسی اور سے
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور — عبادت اس کی اطاعت غیروں کی
تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں — مالک و مددگار وہ، طلب و اعانت دُوسروں سے
دکھا ہمیں سیدھا راستہ — راستہ وہ دکھائے، رہبر کوئی اور ٹھہرے
اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا — آخر اُن لوگوں میں ہم کیوں شامل کئے جائیں جن پر
جو معتوب نہیں ہوئے — انعام ہوا کہ انعام تو فرمانبرداروں کا حق ہے۔
جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں — اُن لوگوں میں سے کیوں نہ ہوں جن پہ غضب ہوا
کہ غضب ہی نافرمانوں کا مقدر ہے۔

عطیہ اشتہار

حاجی فتح محمد میموریل آرگنائزیشن
۷-حسن لشکری اسٹریٹ بادشاہی روڈ کراچی
۸۷-بلاک نمبر ۷، خانیوال

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۸ شعبان / رمضان ۱۴۱۵ھ فروری ۱۹۹۵ء

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ
تجمل حسین چشتی

مدیر اعزازی
طاہر مسعود

مجلس ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

مصور
مومن رحیم

سرکولیشن مینجر
بابر رضا فاروقی

مینجر اشتہارات
عمران احمد

قیمت
۱۲ روپے
۷ درہم ۷ ریال

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

○ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میمو ریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا ہے۔

خط وکتابت کا پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵ (۷۴۸۰۰) فون: ۴۹۴۸۲۱۰ / ۴۹۴۲۸۵۷

ناشر: ظفر محمود شیخ ○ طابع: زاہد علی ○ مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

جب آپ نیلے آسمان پہ محوِ سفر ہوتے ہیں
تو آنکھ مچولی آپ کا ہم سفر ہوتا ہے

جی ہاں!

اگر آپ کبھی پی آئی اے سے سفر کر رہے ہوں
اور آپ کا دل کچھ پڑھنے کو چاہے ——— تو آپ اپنے فضائی میزبان
سے آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ طلب کر سکتے ہیں
بات صرف اتنی سی ہے

آپ جہاں ہیں — **آنکھ مچولی وہاں ہے**

• دلچسپ کہانیاں • مزیدار نظمیں • معلوماتی مضامین • چونکا دینے والی تصویریں

اور وہ سب کچھ جو صرف آنکھ مچولی میں ہوتا ہے

وقت کا بہترین استعمال آنکھ مچولی کا مطالعہ

آنکھ مچولی کو آپ ہمیشہ ایک سچا اور وفادار دوست پائیں گے

ادارہ آنکھ مچولی 1۔ پی آئی بی کالونی، کراچی

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف ___ ادارہ ___ ۸

ماہِ رواں کی پہلی بات ___ اداریہ ___ ۹

حمد باری تعالیٰ ___ (نظم) ___ ضیاالحسن ضیا ___ ۱۰

روزہ رکھنے کے فائدے ___ ممتاز حبیب صابر ___ ۱۱

قصہ ایک ناک کا ___ نگہت آرا چوہان ___ ۱۵

پیارے اباجان ___ (نظم) ___ عبدالقادر ___ ۲۲

نیوکلیئر انرجی ___ محمد اختر شاہد ___ ۲۴

واپسی اپنوں میں ہی ___ عباس عالم ___ ۲۸

نافرمان لڑکے کی سزا۔ (نظم)۔ امان اللہ نیر شوکت ___ ۳۲

درخت ___ سید مسعود حسن رضوی ادیب ___ ۳۳

سوتا جاگتا ابوالحسن ___ نیر مسعود ___ ۳۶

اُردو کا سب سے بڑا شاعر ___ ڈاکٹر اسلم فرخی ___ ۴۱

اداکار بھوت ___ نعیم بلوچ ___ ۴۶

کبھی اپنے ماموں ۔ (نظم) ___ محمد عقیل صابر ___ ۵۳

ننھا موجد ___ عامر اعجاز ___ ۵۴

ہنستے ہنستے ___ لطائف ___ ۵۹

شیردل بولر کی واپسی ___ سلیم خالق ___ ۶۴

برسات ___ (نظم) ___ حسن عابدی ___ ۶۹

چور پکڑا گیا ___ ایاز محمود ___ ۷۰

مجھے میرے چچا جان سے بچاؤ ___ شرجیل نذر ___ ۷۷

جادوئی گولہ گھر گھر بولا ___ ریحانہ منیر ___ ۸۲

بنام آنکھ مچولی ___ منتخب خطوط ___ ۸۶

اب میں کیا کروں ___ ادارہ ___ ۹۱

آمنے سامنے ___ سلیم خالق ___ ۹۵

وہ کیا راز تھا ___ محمد عمر احمد خان ___ ۱۰۰

قلم دوست ___ ننھی تحریریں ___ ۱۰۷

سنہرے حروف

مکہ فتح ہو چکا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینے تشریف لا رہے تھے۔ ہزاروں لوگ ان کے ہم رکاب تھے اور ان میں سے ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مُبارک سے کوئی پیغام سُننے کے لئے بے تاب تھا۔ راستے میں نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے لگے تو عقیدت مند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے بلکہ چلو میں لے لے کر اپنے منہ پر ملتے جاتے تھے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عقیدت مندوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

"میرے دوستو! تم یہ پانی کیوں اپنے منہ پر ملتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہم اپنی عقیدت اور محبت کے اظہار کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔"

رسول اللہ ؐ نے فرمایا: "اگر تمہیں مجھ سے سچّی محبت ہے، تو میرے نقشِ قدم پر چلو اور میری باتیں مانو ــــ جو لوگ صرف میری عزّت کرتے ہیں اور میری باتوں پر عمل نہیں کرتے وہ میرے پیرو کاروں میں سے نہیں ہیں۔" (بخاری)

ماہِ رواں کی
پہلی بات

آدمی ہوگا تو اس میں عیب بھی ہوگا۔ بے عیب ذات تو صرف خدا کی ہے۔ عیب ہونا بری بات نہیں ـــــ بری بات یہ ہے کہ آدمی اپنے عیبوں کی طرف سے نگاہ بند کر لے اور کوئی توجہ دلائے تو سنی ان سنی کر دے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسے لوگ پسند بھی نہیں کیے جاتے۔ جہاں جاتے ہیں، اپنے پیچھے برائی کرنے والوں کو چھوڑ کر آتے ہیں۔ ایسے لوگ خود اپنی ذات کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عیب اور خامیاں خود ان ہی کی خوبیوں کو برباد کرتی رہتی ہیں۔ آدمی اگر بھلا ہو، سمجھدار ہو تو سب سے پہلے اس کی نگاہ اپنی کمزوریوں پر رہتی ہے ـــــ اور وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح ان کی اصلاح کر لے ـــــ اور اگر کوئی اس کی کسی کمزوری کی نشان دہی کرے تو وہ برا نہیں مانتا بلکہ ایسے شخص کو اپنا محسن جانتا ہے۔

نصیحت سننے میں اپنی گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔ دو چار اچھی باتیں کانوں میں چلی جائیں تو مضائقہ ہی کیا ہے۔ شاید کبھی ان پر عمل کرنے کی توفیق بھی مل جائے لیکن اب یہ وباعام ہے، لوگ نصیحت سننے کو تیار نہیں ہوتے۔ خاص طور پر نئی نسل کے لوگ۔ شکایت بھی یہی ہے کہ انہیں کچھ سمجھایئے تو صاف جواب دے دیتے ہیں کہ اپنی نصیحت اپنے پاس ہی رکھئے۔ ہمیں آپ کے قیمتی مشوروں کی ضرورت نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کے اندر ایک انا ہوتی ہے۔ یہ انا آدمی کو بھلی بات سننے سے روکتی ہے۔ یہ کہتی ہے کہ تم تو پہلے ہی بھلے ہو۔ تم میں کون سی خامی یا خرابی ہے جو تمہیں نصیحت کی جارہی ہے۔ یہ انا بہت گمراہ کرتی ہے۔ جب ہم اور آپ اس انا کے چکّر میں آجاتے ہیں تو اپنی خوبیاں دل پسند اور محبوب ہو جاتی ہیں اور اپنی خامیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ اس انا سے بچئے۔ اپنے اندر حقیقی انکساری پیدا کیجئے۔ انکساری اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنی کمزوری اور بے بسی کا احساس اپنے اندر پیدا کر لے۔ یہ احساس اسے جھوٹے غرور اور تکبّر سے بچاتا ہے اور جو برائیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی اصلاح بھی اسی انکساری کے ذریعے ہوتی ہے۔ منکسر المزاج لوگ ملنے جلنے والوں میں مقبول ہوتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ کو اپنے ایسے بندے بہت محبوب ہیں۔ بھلا بتایئے جو صفت آدمی کو خالق اور مخلوق دونوں کی نگاہ میں سرخرو کر دے وہ کیسی اچھی صفت ہوگی۔ تو پھر یہ صفت کیوں نہ ہم اپنے اندر پیدا کر لیں؟

آپ کا دوست
طاہر مسعود

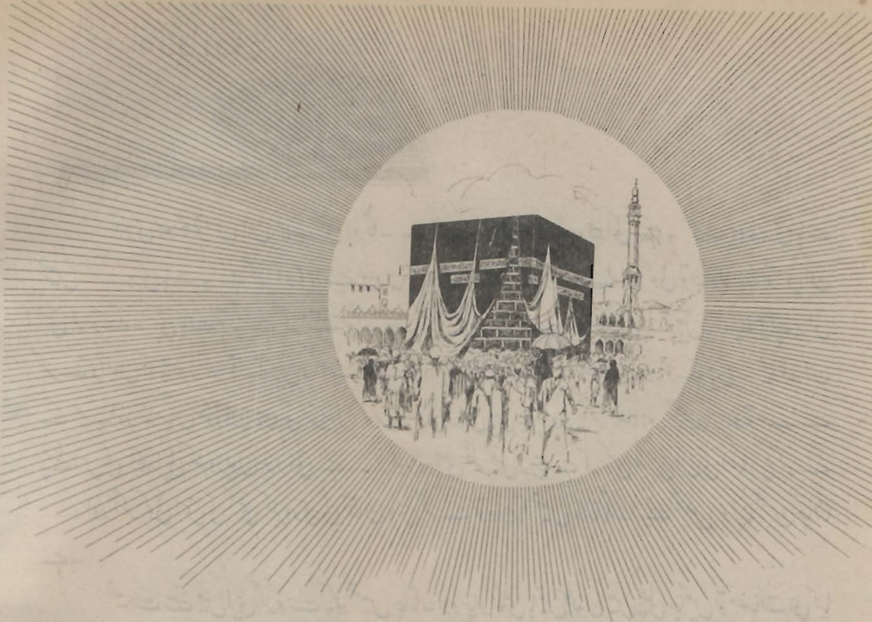

حمد باری تعالیٰ

ضیاء الحسن ضیاءؔ

سب بڑوں سے بڑا مرا اللہ
سب بھلوں سے بھلا مرا اللہ
میرے لب پر ہے صرف اللہ
میرے دل کی صدا مرا اللہ
کبھی گمراہ ہو نہیں سکتا
ہے مرا رہنما مرا اللہ
اس سے لَو تو لگا کے دیکھو تم
ہر مرض کی دوا مرا اللہ
میں سہارا کسی سے کیوں مانگوں
ہے مرا آسرا مرا اللہ
ہر نفس ساتھ ساتھ ہے میرے
ہے محافظ ضیاءؔ مرا اللہ

روزہ رکھنے کے فائدے

ممتاز حبیب صابر

اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلام نے مسلمانوں پر جتنے فرائض بھی عائد کئے ہیں ان سب میں فائدہ ہی فائدہ ہے، نقصان کوئی نہیں۔ روزہ بھی مسلمانوں پر فرض کیا گیا اور یہ مسلمانوں سے پہلے دوسری اُمتوں پر بھی فرض کیا جا چکا تھا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح اگلے زمانے کے لوگوں پر فرض ہوئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لئے فرض کیا تاکہ بندہ پرہیزگار بن جائے۔ پرہیزگار بری باتوں اور برے کاموں سے بچنے والے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ روزہ دار صرف کھانا پینا ہی نہیں چھوڑتا بلکہ غیبت، جھوٹ چغلی، چوری، حسد کینہ، طعنے، گالی گلوچ اور ایسی تمام بری باتوں کو بھی چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور جو شخص روزہ رکھ کر بھی یہ سارے کام کرتا رہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روزہ کی شرائط کو پورا نہیں کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کا روزہ اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہوگا کیونکہ خواہ مخواہ بھوکا اور پیاسا رہنا ایک بے مقصد عمل ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی

دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ پس پتا چلا کہ روزے کا اصل مقصد بندے کو نیک اور اچھا بنانا ہے۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک نیک اور اچھا آدمی خود اپنے اور معاشرے کے لئے کتنا مفید ہوتا ہے۔

روزہ دوسری عبادتوں سے بہت منفرد عبادت ہے۔ دوسری عبادتوں کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن روزے کا معاملہ صرف اللہ اور بندے کے درمیان پوشیدہ ہوتا ہے۔ نماز، حج اور زکوٰۃ میں دکھاوا شامل ہو سکتا ہے لیکن روزہ دار اپنی بھوک اور پیاس کی نمائش نہیں کر سکتا۔ گویا روزہ میں کم از کم آدمی ریا اور نام و نمود سے بچ جاتا ہے۔ ریا ایک عظیم گناہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "تھوڑی سی ریا (دکھاوا) بھی شرک ہے۔" اس طرح روزے میں اللہ اور بندے کے درمیان خاص تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہو) آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ "روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا۔"

روزہ دنیا اور آخرت دونوں کے لئے مفید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ قیامت کا کچھ بیان فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن لوگ بھوکے اور پیاسے اٹھائے جائیں گے۔"

پوچھا: "کوئی ایسا بھی ہو گا جو بھوکا پیاسا نہ ہو؟"

فرمایا: "ہاں رمضان کے روزے رکھنے والا اور عام دنوں میں نفلی روزے رکھنے والا بھوکا پیاسا نہ ہو گا۔"

روزہ صحت کے لئے بھی ضروری ہے ــــ اس سے معدے کو آرام ملتا ہے، طبیعت ہلکی ہوتی ہے۔ جسم کے اندر موجود فاسد مادہ تحلیل ہو جاتا ہے ــــ جو لوگ مہینے بھر روزے رکھتے ہیں، ان کا تجربہ ہے کہ ایک مہینے بعد وہ خود کو پہلے سے زیادہ چاق و چوبند اور صحت مند محسوس کرتے ہیں۔ طبی نقطۂ نظر سے روزہ انسان کی صحت کو نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ وہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

روزہ ہر مسلمان بالغ مرد اور عورت پر فرض ہے۔ لیکن عادت ڈالنے کے لئے بالغ ہونے سے پہلے بھی روزہ رکھے جانے چاہئیں۔ روزہ صرف ان صورتوں میں معاف ہے۔ (۱) سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن اگر سفر آسان ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ (۲) ایسی بیماری جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ (۳) روزے سے اس قدر بھوک یا پیاس محسوس ہو کہ زندگی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہو۔ (۴) ناپاکی کی حالت میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔

روزہ رکھنے کے لئے نیت کرنا ضروری ہے۔ نیت رات کو کر لی جائے یا صبح کو آدھے دن سے

پہلے پہلے (یعنی گیارہ بجے سے پہلے) تک جائز ہے۔ روزہ میں یہ باتیں مکروہ ہیں۔ (۱) چیونگم چبانا یا کوئی اور چیز منہ میں ڈالے رکھنا۔ (۲) کوئی چیز چکھنا۔ (۳) کلی یا ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔ (۴) منہ میں بہت سا تھوک جمع کر کے نگلنا۔ (۵) غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، گالی گلوچ کرنا۔ (۶) روزہ رکھ کر بھوک اور پیاس سے گھبراہٹ اور پریشانی ظاہر کرنا۔ (۷) ٹوتھ پیسٹ، منجن یا کوئلہ چبا کر دانت صاف کرنا۔ اسی طرح روزہ رکھ کر ناچ گانے والی فلم دیکھنا اور بیہودہ فلمی گانے سننا، تاش کیرم بورڈ اور سنوکر وغیرہ بھی روزے کے تقاضوں کے خلاف ہیں۔

ان باتوں سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ (۱) سرمہ لگانا (۲) بدن پر تیل ملنا یا سر میں تیل ڈالنا (۳) ٹھنڈک کے لئے غسل کرنا (۴) مسواک کرنا (۵) خوشبو لگانا یا سونگھنا (۶) بھولے سے کچھ کھا پی لینا۔ (۷) خود بخود بلا ارادہ قے ہو جانا۔ (۸) اپنا تھوک نگلنا (۹) بلا ارادہ کلی یا دھوئیں کا حلق سے اتر جانا۔

جن باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا واجب ہو جاتی ہے (یعنی اس کے بدلے قضا روزے رکھنے پڑتے ہیں) وہ یہ ہیں۔

(۱) کسی نے زبردستی روزہ دار کے منہ میں کوئی چیز ڈال دی اور وہ حلق سے اتر گئی۔

(۲) روزہ یاد تھا اور کلی کرتے وقت بلا ارادہ حلق میں پانی اتر گیا۔

(۳) قے آگئی اور ارادۃً حلق میں واپس لے گئے۔ (۴) ارادۃً منہ بھر کے قے کر ڈالی۔ (۵) کنکر، پتھر کا ٹکڑا (گٹھلی مٹی یا کاغذ کا ٹکڑا ارادۃً نگل لیا۔ (۶) دانتوں میں پھنسی ہوئی چیز کو زبان سے نکال کر نگل لیا۔ جبکہ وہ چنے کے دانے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔ اگر منہ سے نکال کر پھر نگل لیا تو چاہے چنے سے کم ہو یا زیادہ روزہ ٹوٹ گیا۔ (۷) کان میں تیل ڈالا۔ (۸) ناک کے ذریعے کوئی دوا وغیرہ کھینچنا۔ (۹) دانتوں میں سے نکلے ہوئے خون کو نگل لیا جب کہ خون تھوک سے زیادہ ہو۔ (۱۰) بھولے سے کچھ کھا پی لیا اور یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر کھایا پیا۔ (۱۱) یہ سمجھ کر کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی سحری کھالی پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی۔ (۱۲) رمضان المبارک کے سوا عام دنوں میں کوئی روزہ ارادۃً توڑ ڈالا۔ (۱۳) بادل یا غبار کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہو گیا ہے روزہ افطار کر لیا حالانکہ ابھی دن باقی تھا ان سب صورتوں میں ان روزوں کی قضا رکھنی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں روزے رکھنے کی توفیق دے اور ہمارے روزوں کو قبول فرمائے (آمین)

(اس مضمون کی معلومات مفتی کفایت اللہ کی کتاب تعلیم الاسلام حصہ چہارم سے حاصل کی گئیں)

ان سے تعاون کیجیے ان پر اعتماد کیجیے

وطنِ عزیز کے قریے قریے
اور نگر نگر
ہر ماہ باقاعدگی سے
آنکھ مچولی
پہنچانے کے لیے ہم نے
ان اداروں
کو اپنا باقاعدہ
ایجنٹ
مقرر کیا
ہے

محمد حسین برادرز	کراچی	۷۷۲۴۱۲۶
سلطان نیوز ایجنسی	لاہور	۵۸۲۴۹
ملک تاج محمد	راولپنڈی	۵۵۴۳۳
مہران نیوز ایجنسی	حیدرآباد	۲۰۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی	پشاور	۶۲۵۱۵
اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان	۴۴۳۱۰
فیاض بک ڈپو	فیصل آباد	۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز	کوئٹہ	۷۵۰۰۲
اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ	
سلمان برادرز	نواب شاہ	۲۴۱۴
سعید بک اسٹال	گجرات	۳۶۳۹
پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال	سرگودھا	۶۲۹۵۱
طاہر نیوز ایجنسی	جہلم	
کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور	۲۹۵۷
چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یار خان	۷۲۶۲۶
مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر	
رحمت بک اسٹال	اوکاڑہ	
رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ ضلع بہاول نگر	
ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ	۸۷۹۸۹
سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال	
مولا بخش نیوز ایجنسی	مہران مرکز سکھر	
خالد بک اسٹال	گجرات	۳۷۳۱
اسلامی نیوز ایجنسی	وہاڑی	۶۲۲۰۳

آنکھ مچولی
خریدنے کے لیے
اپنی تجاویز اور مشوروں کیلئے

ان ناموں پر اعتماد کیجیے

خط و کتابت کے لیے ماہ نامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

قصہ ایک ناک کا

نگہت آرا چوہان

پیارے قارئین کرام! عنوان پڑھ کر آپ چونکے تو ضرور ہوں گے اور دل میں سوچا ہو گا کہ یہ کس کی ناک کا قصہ ہے؟ لہٰذا ہم پہلے سے اس بات کا اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری اپنی ذاتی ناک کا اس قصے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی یہ کسی خاندانی ناک کا مسئلہ ہے۔ نہ یہ وہ ناک ہے جس پر مکھی نہیں بیٹھنے دی جاتی۔ یہ ناک بہت زیادہ اونچی بھی نہیں ہے جس پر ناک بھوں چڑھانے میں کسی "خطرناک" سچویشن کا سامنا کرنے پڑے۔ یہ ایسی کمزور بھی نہیں ہے کہ ناک پکڑے دَم نکلتا ہو اور نہ ہی اس ناک سے چنے چبائے جا سکتے ہیں بلکہ یہ صرف موٹی سی ایک آلو نما ناک کا ذکر ہے جو ہمارے روفی میاں کے خوبصورت چوکھٹے میں یوں جڑ دی گئی ہے جیسے ذرا سی انگوٹھی میں بڑا سا نگینہ۔

اب آپ پوچھیں گے کہ یہ روفی میاں کون ہیں؟ جن کی ناک کا ذکر کر کر کے ہم نے آپ کا ناک میں دم کر دیا ہے، تو یہ روفی میاں ہمارے سب سے چھوٹے چچا کے سب سے چھوٹے موٹے صاحبزادے ہیں۔ ان کی عمر تقریباً بارہ تیرہ

سال کی ہوگی۔ بڑے خوش اخلاق، خوب سیرت، پُرخلوص سے بچے ہیں۔ چچا رفیق کراچی کے پُرفضا دیہی علاقے "ملیر" میں رہتے ہیں اور ان کا ذریعہ معاش پھلوں کے باغات ہیں۔ آلودگی سے پاک کھلی آب و ہوا اور خالص خوراک کی وجہ سے رونی میاں کے سارے بہن بھائی اچھی صحت اور نکھرے رنگ روپ کے مالک ہیں اور سب کی ناکیں نارمل ہیں یعنی بالکل چونچ دار۔ چنانچہ ایسے خاندان میں رونی میاں جیسی ناک والے بچے کا پیدا ہونا ایک عجوبہ ہی سمجھا گیا۔ شروع شروع میں تو پتا نہیں چلا لیکن جیسے ہی رونی میاں ذرا سے بڑے ہوئے سب کے سب بہن بھائی لٹھ لے کر رونی کی ناک کے پیچھے پڑ گئے۔

اب ذرا غور کیجیے تو یہ کتنی بُری بات ہے۔ بھئی یہ ناک رونی میاں نے خود تو نہیں بنائی اور اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں نقص نکالنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے علاوہ کسی کی دل آزاری کرنا ہمارے مذہب اسلام میں تو بالکل جائز نہیں ہے، لیکن توبہ کیجئے، آج کل کے لوگ ان باتوں کی طرف توجہ کہاں دیتے ہیں۔ وکی بھائی نے تو خاندان میں باقاعدہ ایک میوزیکل گروپ بنایا ہوا تھا جس کا خاص گانا ہی یہ تھا۔

ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں

اس قسم کے ذہنی تشدد (جی ہاں اسے ذہنی تشدد ہی کہا جاسکتا ہے) کا نتیجہ یہ نکلا کہ رونی میاں جو اچھے خاصے نارمل بچے تھے، ہر وقت شرمندہ شرمندہ سے رہنے لگے۔ دوستوں میں کھیلنا کودنا چھوڑ دیا۔ مہمانوں کے سامنے جانے سے کتراتے۔ والد صاحب کے دوست گھر میں آتے تو چھپے چھپے پھرتے۔ اپنے بہن بھائیوں کے سامنے آنے سے بچتے اور صرف چچا جان اور چچی جان سے بات کرتے۔ والد نے ان کو کبھی ناک کا احساس نہیں دلایا اور ہمیشہ پیار سے پیش آتے بلکہ چچی کو تو اکثر غصہ آجاتا۔

"اے کیا ہے تم سب ہر وقت میرے بچے کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔ اپنے کرتوت بھی دیکھے ہیں کبھی...... نکمے زمانے بھر کے۔" لیکن والدین ہر وقت اور ہر جگہ تو رونی میاں کے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ دنیا میں ہر انسان کو خود ہی زندگی کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رونی میاں اچھے خاصے ذہین، نارمل اور تہذیب یافتہ بچے تھے، لیکن اس ناک نے انہیں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔ پچھلے سال ہم گرمیاں گزارنے چچا کے یہاں گئے۔ اور لوگ بھی یہاں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے، کیونکہ چچا اس موسم میں سب کو آم کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس ہنگامہ اور ہجوم میں میں نے نوٹ کیا کہ رونی میاں بہت کم ہی سامنے آتے۔ بس اوپر اپنے کمرے تک محدود رہتے۔ سارے بچے باہر کرکٹ کھیلتے، پکنک منانے جاتے، دوسرے کھیلوں میں حصہ لیتے لیکن رونی میاں کبھی ان کے ساتھ نظر نہ آتے۔ اب تو مجھے تشویش شروع ہو گئی۔ میں نے ان کے دوسرے نمبر کے

بھائی عدنان سے پوچھا تو اس نے بات ٹال دی۔
"ارے آپی اس کی عادت ہی ایسی ہے۔"
"لیکن پچھلے سال تک تو ایسا نہیں تھا؟" میں نے کریدا۔
"اب وہ بڑا ہو گیا نا۔" اس نے پھر مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ اور اپنے بیٹ کو تلاش کرنے لگا۔
"اور تم بھی تو اس سے زیادہ بڑے ہو گئے ہو۔" میں نے طنز کیا۔ "کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم آج تک اپنے بھائی کو بھی نہیں سمجھ سکے۔"
"اوہو آپی۔ میرا اس وقت لیکچر سننے کا بالکل موڈ نہیں ہے اور ابھی میرا میچ بھی ہونے والا ہے۔"
وہ گیند بلا لے کر باہر بھاگ گیا۔ آخر میں نے خود ہی روفی سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کمرہ نفاست سے سجا ہوا تھا۔ کتابیں کاپیاں، کھیل کا سامان سب کچھ صاف ستھرا اور سلیقے سے رکھا تھا اور وہ خود سینٹر ٹیبل پر بیٹھا بڑے انہماک سے کسی تصویر میں رنگ بھر رہا تھا۔
"ہاؤ!" میں نے چپکے سے پیچھے جا کر زور سے آواز نکالی۔ روفی میاں اچھل ہی تو پڑے۔ پنسل ہاتھ سے چھوٹ گئی۔
"آہا! روفی صاحب ڈر گئے۔"
"جی نہیں ہم ڈرتے ورتے نہیں۔" انہوں نے بڑے وثوق سے ہنڈیا سا سر ہلایا۔
"جی ہاں! آپ ڈرتے ہیں...... اسی لئے اتنے دنوں سے نظر نہیں آئے۔ کھانا بھی اکیلے کھاتے ہیں اور سب کے ساتھ مل کر کھیلتے بھی نہیں۔"
"وہ آپی سب مجھے تنگ کرتے ہیں۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔
"تو؟ آپ تنگ کیوں ہوتے ہیں؟" میں نے بڑا فلسفیانہ سوال کیا۔
"نہیں! وہ بات دراصل یہ ہے کہ میری عادت ہی ایسی ہے۔" روفی گڑبڑا گئے۔
"اور پچھلے سال تک تو یہ عادت نہیں تھی؟" میں نے اسے غور سے دیکھ کر کہا۔
"پچھلے سال میں اتنا سمجھدار نہیں تھا۔" انہوں نے مفکرانہ انداز میں کہا تو مجھے ہنسی آ گئی۔
"ماشاءاللہ اور اس سال آپ افلاطون بن گئے ہیں؟"
"آپی یہ افلاطون کون ہے؟"
"ہے نہیں...... تھا! ...... ایک بہت بڑا یونانی عقلمند۔"
"کیا ...... کیا اس کی ناک بھی میرے جیسی تھی؟" روفی نے بھولپن سے کہا۔
"ناک؟ ہائیں...... ارے بھائی یہ ناک کہاں سے آ گئی بیچ میں؟" میں انجان بن گئی۔
"کیا آپ کو میری ناک میں کوئی عجیب بات نہیں نظر آتی؟" روفی میاں جھنجھلا گئے۔
"بالکل نہیں! کیا تمہاری ناک میں کوئی ٹیکنیکل

خرابی ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"بھئی بعض لوگوں کی ناک میں ہر وقت نزلہ بھرا رہتا ہے، کچھ کی ناک ہمیشہ بہتی رہتی ہے۔ اکثر ناک میں سوزش ہوتی ہے۔ کبھی ناک کی ہڈی بڑھ جاتی ہے تو سانس لینے میں دقت ہوتی ہے۔ بعض اوقات سونگھنے کی حس ختم ہو جاتی ہے۔ خوشبو یا بدبو کا پتہ نہیں چلتا وغیرہ وغیرہ۔

"ارے آپی میری ناک میں ایسی کوئی خرابی نہیں ہے۔"

"پھر تو تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ تم ایک بالکل صحت مند ناک کے مالک ہو۔"

"پھر دوسرے یہ بات کیوں نہیں سمجھتے؟" انہوں نے اپنی دانست میں مجھے لاجواب کر دیا۔

"دوسروں کو سمجھانا تمہارا اپنا کام ہے۔"

"آپ کی ناک ایسی ہوتی تو پتا چلتا۔" رونی میاں نے منہ پھلایا۔

"مجھے تو صرف یہ پتا چلا ہے کہ تمہیں ایک خطرناک بیماری ہو گئی ہے۔" میں نے سنجیدہ شکل بنالی۔

"بیماری؟" رونی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! ڈپریشن کی بیماری۔ اللہ بچائے بڑا خطرناک مرض ہے۔"

"ڈی ..... پرے شن! یہ یہ کیا ہوتا ہے؟" رونی میاں میری سنجیدگی دیکھ کر بوکھلا گئے۔

"بس کچھ نہ پوچھو! اللہ معاف کرے۔ تمہاری ساری عادتیں ڈپریشن کے مریضوں والی ہیں۔ پہلے پہل تو مریض کو اس بیماری کا پتہ ہی نہیں چلتا اور جب پتہ چلتا ہے تو اس مرض کے جراثیم اس پر مکمل طور پر قابو پا چکے ہوتے ہیں۔"

"پھر...... پھر کیا ہوتا ہے؟" بے چارے رونی میاں سچ مچ گھبرا گئے۔

"بھئی ایسا مریض ہر وقت اداس اور دوسروں سے الگ تھلگ رہنے لگتا ہے، ہر وقت مایوسی کی باتیں کرتا ہے، زندگی کی دلچسپیوں میں حصہ لینا چھوڑ دیتا ہے، اس کی ذہانت کو زنگ لگ جاتا ہے، پڑھنا لکھنا ختم ہو جاتا ہے، بھوک نہیں لگتی، نیند نہیں آتی، مریض چڑچڑا ہو جاتا ہے، ذرا سے مذاق کا برا مان جاتا ہے، ہر وقت اپنے آپ میں کیڑے نکالتا رہتا ہے، اسے اپنی شخصیت پر اعتماد نہیں رہتا، احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور...... اور......۔" میں نے تقریر کے دوران رک کر ان کی شکل دیکھی جس پر ساڑھے بارہ بج رہے تھے، صاف پتا لگتا تھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔

"ارے واہ! میں تو بھول ہی گئی کہ مجھے زینی کے دوپٹے پر کرن لگانی ہے۔" میں نے جلدی سے گھڑی دیکھی۔ "اچھا رونی خان پھر ملاقات ہوگی۔" آپ نے وہ محاورہ تو سنا ہوگا "بھس میں چنگی ڈال جمالو دور کھڑی"۔ چنانچہ میں نے بھس میں چنگاری ڈال کر رونی میاں کو سوچنے کی دعوت تو دے دی تھی؟ آگے اللہ مالک ہے۔

اگلے دو دنوں تک میں نے رونی کو عمداً نظر انداز

کئے رکھا اور دوسرے بچوں میں دلچسپی لی۔ آخر تیسرے دن رونی صاحب خود ہی نیچے اتر کر آئے۔ سب کے ساتھ کھانا کھایا۔ آج ہمارا چاندنی رات میں سیر کرنے کا پروگرام تھا۔ کھانے پر رونی کو دیکھ کر کسی نے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ سب اپنا اپنا پروگرام بنانے میں لگے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر رونی کو تھوڑا سا حوصلہ ہوا۔

"آپی میں بھی سیر کو چلوں گا۔" انہوں نے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی کی۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اس میں اس قدر راز داری کی کیا ضرورت ہے؟"

"وہ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں...... آپ کہیں جائیے گا نہیں...... میں ابھی کپڑے بدل کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جلدی سے کھسک لئے۔

جب ہم دو گاڑیوں میں لد کر باغوں میں پہنچے تو پورے چاند کی روشنی ماحول میں چٹک رہی تھی۔ جیسے کسی نے پگھلی چاندی درختوں اور پودوں پر پھیلا دی ہو۔ کیاریوں میں شفاف پانی بہہ رہا تھا۔ مینڈک اور جھینگر تال میں بول رہے تھے۔ سارے بچے درختوں کی طرف دوڑے جہاں جھولے پڑے تھے۔ کچھ بچوں نے آنکھ مچولی شروع کر دی، تاہم رونی میاں میرے پیچھے پیچھے لگے رہے۔

"ارے رونی تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ جاؤ کھیلو۔" جہاں آرا آپی نے ڈانٹا۔

"جی وہ مجھے نشو آپی سے کچھ پوچھنا ہے۔" انہوں نے مسکین صورت بنائی۔

"ارے نشو یہ ننگو میاں اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہیں۔" انیتا نے مذاق اڑایا۔

"انیتا پلیز! آؤ صاحبزادے ہم وہاں تالاب کے کنارے بیٹھ جاتے ہیں۔" میں نے جلدی سے صورت حال کو سنبھال لیا۔ پتھر کی بینچ پر بیٹھ کر میں نے اطمینان سے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟"

"آپی آپ میری دوست ہیں نا!" انہوں نے تصدیق چاہی۔

"لو یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تم تو میرے سب سے پیارے چھوٹے سے بھیا ہو۔"

"آپی میرا خیال ہے مجھے وہ بیماری ہو گئی ہے...... ڈی پریشن والی۔"

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔ واقعی؟"

"آپی اس کا علاج کیا ہے؟ میں ہرگز ڈی پریس بچہ نہیں بننا چاہتا۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کوئی معقول اور سمجھدار بچہ ڈپریشن کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن اس کا علاج تو بہت آسان ہے۔ ڈپریشن کے لئے نہ تو کوئی آپریشن کرنا پڑتا ہے نہ کڑوی کڑوی دوائیں کھانا پڑتی ہیں۔"

"مگر پھر علاج کیسے ہوتا ہے آپی؟" رونی میاں نے حیرت سے کہا۔

حضورؐ نے فرمایا:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، یہ میرا مال ہے، حالانکہ اس کے لئے اس کے مال میں تین حصے ہیں۔ جو کھایا وہ ختم ہوگیا۔ جو پہن لیا وہ بوسیدہ ہوگیا اور جو خدا کی راہ میں دیا وہی اس نے خدا کے ہاں جمع کیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کا نہیں ہے اس مال کو تو وہ اپنے ورثا کے لئے چھوڑ جائے گا اور خود خالی ہاتھ جائے گا۔" (مسلم)

مرسلہ .... طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ

"بھئی اس کا علاج تو خود مریض کے پاس ہے۔ اسے ہر حال میں خوش رہنے کی عادت ہونی چاہئے۔"

"میں بھی خوش رہنا چاہتا ہوں لیکن میری ناک......"

"پھر وہی ناک؟" میں نے بات کاٹ دی۔

"دیکھو روفی میاں میرا خیال ہے تم بالکل ڈپریس بچے نہیں ہو۔ بس تم نے اپنی ناک کا مسئلہ بنا لیا ہے۔"

"میں نے......؟ نہیں آپی دوسروں نے میری ناک کو اپنا مسئلہ بنالیا ہے۔"

"ارے یہ تو خاصا ادبی جملہ بول گئے تم۔ اچھا خیر اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ تم بالکل اس بات کی پروا نہ کرو کہ دوسرے تمہارے بارے میں کیا بکواس کرتے ہیں۔ اچھا پہلے وعدہ کرو کہ جو علاج میں بتانے والی ہوں اس پر پوری دیانت داری اور محنت سے عمل کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ کہیں گی اس پر عمل کروں گا۔" روفی نے آنکھیں بند کر کے بڑے خلوص سے وعدہ کیا۔

"شاباش! اس علاج پر عمل کرنے سے اتنا فائدہ ہوگا کہ تم حیران رہ جاؤ گے...... رہ گئے مذاق اڑانے والے تو ان کی ناک پر بن جائے گی۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ اس کے بعد ہم نے آدھے گھنٹے تک نہایت خفیہ مذاکرات کئے۔ روفی میاں نہایت مطمئن ہو کر اٹھے۔

اس دن سے روفی میاں بالکل بدل گئے۔ ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ لوگوں نے ان کی ناک کا مذاق اڑانا نہیں چھوڑا مگر وہ خود ہی طرح دے جاتے۔ چھٹیاں ختم ہونے پر پروگرام کے مطابق ان کا پہلا فون آیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔

"آپی میں نے انٹر اسکول کرکٹ ٹورنامنٹ کے لئے اپنا نام لکھوا دیا ہے۔"

"شاباش میرے شیر! بس آج ہی سے سخت محنت شروع کر دو۔"

انٹر اسکولز مقابلوں میں روفی کی کارکردگی حیران کن تھی۔ جب اخبار میں اس کی تصویر چھپی تو چاچا رفیق نے اس کامیابی کی خوشی میں ایک زبردست پارٹی دی۔

"بھئی ہمارا روفی ایک دن فرسٹ کلاس کرکٹ کھیلے گا۔"

"ارے روفی کمال کر دیا،تم اتنے اچھے کرکٹر ہو؟"

"روفی میاں آپ نے ہمارے اسکول کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔" جب اس کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے جگ مگ کرتا کپ بلند کیا تو مارے خوشی کے روفی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آج روفی میاں ہیرو تھے۔ کسی کو فکر نہیں تھی کہ ان کی ناک پکوڑے جیسی ہے یا آلو جیسی۔ انہوں نے سارے خاندان کی ناک اونچی کر دی تھی۔ روفی کی فتوحات کا سلسلہ اسپورٹس تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ انہوں نے آٹھویں میں وظیفہ حاصل کر لیا۔ بین الاقوامی مصوری کے مقابلے میں تیسرا انعام حاصل کیا، بہترین مقرر، بہترین طالب علم، بہترین کھلاڑی۔ وہ وقت کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرتا گیا۔

آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں نے انہیں کیا جادو منتر سکھا دیا۔ چلئے بتا دیتے ہیں۔ وہ جادو منتر علامہ اقبال کا ایک شعر تھا جس کی تشریح خود روفی میاں کی ہمت، جرأت اور حوصلے نے کی تھی۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عُقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہر پاکستانی بچہ شاہین ہوتا ہے۔ بس ذرا سا اس جذبے کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ ٹھیک کہا نا میں نے؟ ■

ایک اچھی خبر

۱۹۹۴ء کا سال جاتے جاتے ایک خوشخبری دے گیا۔ اور وہ اچھی خبر یہ تھی کہ آنکھ مچولی کے مجلس ادارت کے رکن اور بچوں کے مقبول ادیب جناب منیر احمد راشد نے جامعہ کراچی کے شعبۂ اردو کے ایم اے کے امتحان میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کرلی۔ جناب راشد کی شاندار تعلیمی کارکردگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی محنت، احساس ذمہ داری اور وقت کے صحیح استعمال سے بڑی سے بڑی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ ان کی کامیابی میں اہل قلم ساتھیوں کیلئے بھی یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ وہ رسائل و اخبارات کے لئے لکھنے لکھانے کی مصروفیات کے ساتھ تعلیم کے میدان میں بھی نمایاں امتیاز حاصل کرسکتے ہیں۔

ہم جناب منیر احمد راشد کو ان کی اعلیٰ تعلیمی کارکردگی پر تہہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں آئندہ بھی ایسی ہی کامیابیاں عطا فرمائے (آمین)

پیارے ابّا جان روزہ آپ کیوں رکھتے نہیں

عبدالقادر

ماہِ رمضاں آ گیا ہے، کُھل گیا جنت کا باب ایک نیکی پر خدا دیتا ہے ستّر کا ثواب
پھول رحمت کے کِھلے ہیں، آپ کیوں چُنتے نہیں؟ موتیوں سے دل کا دامن آپ کیوں بھرتے نہیں؟
رب کے فرماں پر ذرا سا بھی عمل کرتے نہیں
پیارے ابّا جان روزہ آپ کیوں رکھتے نہیں؟

بجھ گئی ہے نارِ دوزخ، قید میں شیطان ہے مہرباں بندوں پہ اپنے کس قدر رحمٰن ہے
اس مبارک ماہ میں نازل ہوا قرآن ہے نوعِ انساں کے لئے جو حشر تک فرقان ہے
طاق میں قرآن ہے، اس کو کبھی پڑھتے نہیں
پیارے ابّا جان روزہ آپ کیوں رکھتے نہیں؟

رحمتیں ہی رحمتیں ہیں روزہ داروں کے لئے مغفرت کا دور ہے پرہیز گاروں کے لئے
رحم آتا ہے دلوں میں غم کے ماروں کے لئے یہ زمانہ ہے خوشی کا بے سہاروں کے لئے
بے کسوں کی دستگیری آپ کیوں کرتے نہیں؟
پیارے ابّا جان روزہ آپ کیوں رکھتے نہیں؟

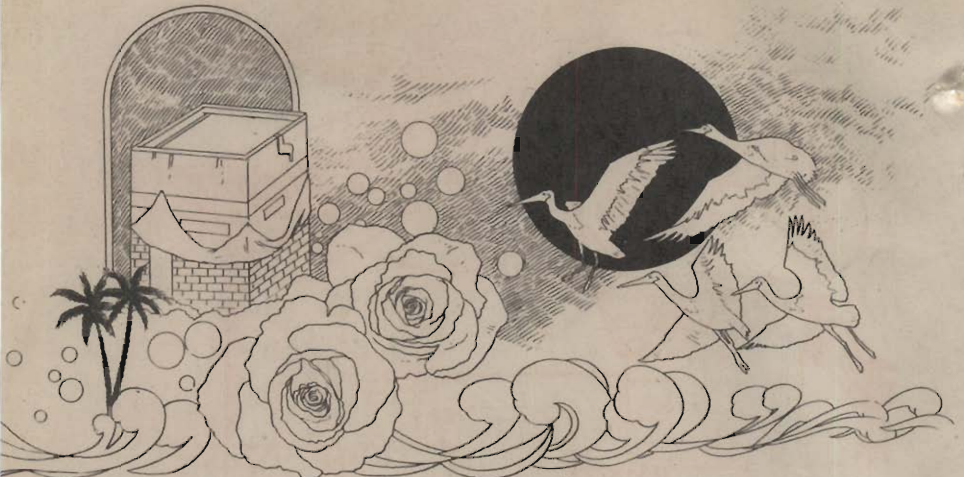

ماہِ رمضاں میں اترتی ہیں خدا کی رحمتیں   اس میں نازل روز ہوتی ہیں ہزاروں برکتیں
روزہ داروں کے لئے ہیں دوجہاں کی راحتیں   کس قدر ہیں جاں فزا ماہِ مبیں کی ساعتیں
نعمتوں کی قدر آخر آپ کیوں کرتے نہیں؟
پیارے ابّا جان روزہ آپ کیوں رکھتے نہیں؟

آپ نے مجھ سے کہا تھا سب کا خالق ہے خدا   وہ جہاں کو پالتا ہے سب کا رازق ہے خدا
اس کی بےحد رحمتیں ہیں حضرتِ انساں پر   اس کے احسانات لاکھوں ہیں ہماری جان پر
اس خدا کے سامنے پھر آپ کیوں جھکتے نہیں؟
پیارے ابّا جان روزہ آپ کیوں رکھتے نہیں؟

"کام دفتر کے بہت ہیں" یہ بہانہ چھوڑیے   خالقِ کون و مکاں سے اپنا ناتا جوڑیے
آگ میں لے جائیں گے دنیا کے یہ لات و منات   حافظ و ناصر مسلماں کا ہے ربِ کائنات
اس کی ناراضی سے آپ آخر کیوں ڈرتے نہیں؟
پیارے ابّا جان روزہ آپ کیوں رکھتے نہیں؟

نیوکلیئر انرجی

بجلی پیدا کرنے کا جدید طریقہ

محمد اختر شاہد

بجلی گھر کے نام سے تو ہم سب واقف ہی ہیں۔ بجلی گھر ایک ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں مختلف قسم کی مشینوں کے ذریعے بجلی (برقی رو) پیدا کی جاتی ہے اور وہاں سے بجلی دوسرے شہروں کو مہیا کی جاتی ہے۔ بجلی پیدا کرنے کے کئی ذرائع ہیں۔ مثلاً پانی سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ حرارت کو بھی بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی ہوا اور سورج کی شعاعوں سے بھی پیدا کی جاتی ہے۔

ہمارے ملک میں بجلی زیادہ تر پانی اور حرارت سے پیدا کی جاتی ہے۔ حرارت سے بجلی پیدا کرنے کے لئے کوئلے اور گیس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ منگلا بجلی گھر اور تربیلا بجلی گھر پاکستان کے دو مشہور بجلی گھر ہیں جو پانی سے بجلی پیدا کرتے ہیں۔

حرارت سے بجلی پیدا کرنے والے بہت سے بجلی گھر پاکستان کے دوسرے شہروں میں ہیں۔

آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں بجلی پیدا کرنے کے لئے ایک اور ذریعہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (اسے نیوکلیئر انرجی (NUCLEAR ENERGY) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ انرجی کا جدید ذریعہ ہے جسے دنیا کے بیشتر ممالک میں بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ مثلاً جاپان میں بجلی کی ضرورت کا تقریباً ۲۷ فیصد نیوکلیئر انرجی سے بجلی پیدا کر کے پورا کیا جاتا ہے۔ امریکہ اپنی ضرورت کی تقریباً ۲۲ فیصد بجلی نیوکلیئر انرجی سے پیدا کرتا ہے۔ بیلجیم اپنی ۶۰ فیصد بجلی کی ضرورت کو نیوکلیئر بجلی سے پورا کرتا ہے۔

پاکستان بہت تھوڑی بجلی نیوکلیئر انرجی سے پیدا کرتا ہے اور اس کا نیوی کلیئر انرجی سے بجلی پیدا کرنے کا ایک ری ایکٹر (REACTOR) کراچی میں نصب ہے۔ یہ دراصل پاکستان کا واحد نیوکلیئر بجلی گھر ہے۔

پیشتر اس کے کہ آپ کو اس نیوکلیر بجلی گھر کے بارے میں بتایا جائے۔ میں یہاں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے آپ کو نیوکلیر انرجی سے متعارف کرایا جائے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ مادہ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ کو جوہر (ATOM) کہتے ہیں جوہر کی اپنی ساخت ہوتی ہے۔ اس کے درمیانی حصہ کو نیوکلیس (NUCLEUS) کا نام دیا گیا ہے۔ نیوکلیس جوہر کا بہت ہی اہم حصہ ہے جس کی دریافت ۱۹۱۱ء میں نیوزی لینڈ کے ایک سائنس دان ردر فورڈ (RUTHER FORD) نے ایک تجربہ کے ذریعہ کی۔ نیوکلیس جوہر کا ایک بہت بھاری حصہ ہے۔ اس کے گرد الیکٹرون (ELECTRON) جو ایک یا ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں، مختلف مداروں میں گردش کر رہے ہوتے ہیں۔ نیوکلیس دو ذرات پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں پروٹون (PRO-TON) اور نیوٹرون (NEUTRON) کہتے ہیں۔ پروٹون پر مثبت چارج ہوتا ہے جبکہ نیوٹرون پر کوئی چارج نہیں ہوتا۔ نیوٹرون اور پروٹون کی کمیت تقریباً برابر ہوتی ہے۔ الیکٹرون (جو نیوکلیس کے گرد مختلف مداروں میں گردش کر رہے ہیں) پر منفی چارج ہوتا ہے اور ان کے چارج کی قیمت پروٹون کے چارج کے برابر ہوتی ہے۔ الیکٹرون کی کمیت پروٹون یا نیوٹرون کی کمیت سے ۱۸۴۰ گنا کم ہوتی ہے۔ نیوٹرون اور پروٹون نیوکلیس میں ایک دوسرے کے بالکل قریب پڑے ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان ایک بہت ہی طاقتور قوت کشش ہوتی ہے جو انہیں نیوکلیس کے اندر رکھتی ہے۔

نیوکلیس کی مثال یورینیم (URANI-UM) سے دی جا سکتی ہے۔ یورینیم ایک عنصر ہے جو دھات کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ اس کے نیوکلیس میں ۹۲ پروٹون اور ۱۴۶ نیوٹرون ہوتے ہیں۔

معلومات

(۱) قرآن حکیم کی پہلی کتابت مکہ میں خط تیراموز اور مدینہ میں خط حیری میں ہوئی۔
(۲) قاتلانہ حملوں میں اب تک امریکہ کے چار صدر ہلاک ہوئے ہیں۔ ۱۔ ابراہام لنکن، ۲۔ جمیز گار فیلڈ، ۳۔ ولیم میکنلے، ۴۔ جان کینیڈی۔

مرسلہ:۔ عبدالستار خان طاہر، بورے والا۔

۱۹۳۹ء میں دو جرمن سائنس دان ہین (HAHN) اور سٹریس مین (STRASSM-ANN) نے طبیعات میں ایک اہم دریافت کی۔ انہوں نے ایک تجربہ کی بنا پر یہ ثابت کیا کہ یورینیم کے نیوکلیس کو ایک نیوٹرون کے ذریعے توڑا جا سکتا ہے اس عمل کے دوران بہت زیادہ توانائی (E-NERGY) کا اخراج ہوتا ہے۔ اس مظہر کو فشن (FISSION) کہا جاتا ہے۔ اس مظہر سے پہلی بار یہ بات ثابت ہوئی کہ نیوکلیس کو توڑ کر بہت زیادہ توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں نیوکلیس بہت زیادہ توانائی کا منبع ہے۔ یہ توانائی جو نیوکلیس سے نکلتی ہے۔ نیوکلیئر انرجی (NUCLEAR ENERGY) کہلاتی ہے۔

اب میں آتا ہوں پاکستان کے نیوکلیئر بجلی گھر کی طرف جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اس نیوکلیئر بجلی گھر کا نام کینپ (KANUPP) ہے۔ جس کا انگریزی میں مطلب ہے۔ کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ اور اردو میں کراچی نیوکلیئر بجلی گھر ہے۔ یہ بجلی گھر ۱۳۷ میگاواٹ بجلی پیدا کرتا ہے اور اسے ۱۹۷۲ء میں کینیڈا کی گورنمنٹ کی مدد سے پاکستان میں لگایا گیا۔ اس نیوکلیئر بجلی گھر میں قدرتی یورینیم ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھاری پانی (HEAVY WATER) بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بھاری پانی فشن کے دوران نکلنے والے تیز نیوٹرون کی رفتار کو بہت کم کرتا ہے اور اس طرح فشن کا متواتر عمل (CHAIN REACTION) یورنیم میں جاری رہتا ہے۔ جب ری ایکٹر کام کرتا ہے تو اس میں بہت زیادہ حرارت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے اس کا درجۂ حرارت بڑھ جاتا ہے۔ بھاری پانی ری ایکٹر کو ٹھنڈا رکھنے میں بھی مدد دیتا ہے اور اسے حرارت کے نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔

دسمبر ۱۹۷۶ء میں کینیڈا نے پاکستان کو کینپ کے لئے یورنیم کا ایندھن دینا اچانک بند کر دیا جس کی وجہ سے اس بجلی گھر کو کچھ عرصہ کے لئے بند کرنا پڑا۔ اس دوران میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے ماہرین نے کینپ کے لئے اپنا ایندھن تیار کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ اور بالآخر وہ یورینیم کا ایندھن تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب کینپ کے لئے ۱۰۰ فیصد یورنیم کا ایندھن پاکستان اٹامک انرجی کا تیار شدہ استعمال ہو رہا ہے اور پاکستان کو اپنے نیوکلیئر بجلی گھر کے لئے ایندھن باہر کے ممالک سے نہیں منگوانا پڑتا۔

کہ گری تھی مجھ پہ کل بجلی

محاورے میں کسی پر بجلی گرتے ہوئے آپ نے اکثر سنا ہوگا لیکن حقیقتاً کسی پر بجلی گرتے ہوئے آپ نے شاید ہی دیکھا ہو۔ آیئے ایک خاتون پر بجلی گرنے کا بالکل سچا واقعہ آپ کو سنائیں۔

مسز جینیس ایک اسکول ٹیچر ہیں۔ یہ پچھلے سال کا واقعہ ہے۔ وہ اپنے اکاؤنٹنٹ شوہر مسٹر این اور دو بچوں کے ہمراہ سمندر کے کنارے گئیں۔ وہاں پہنچتے ہی آسمان پر بادل چھا گئے اور خوب موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ یہ صورتحال دیکھ کر ان لوگوں نے اپنا سامان سمیٹا اور واپسی کے لئے پارکنگ لاٹ کی طرف روانہ ہوگئے جہاں ان کی کار کھڑی تھی۔ مسز جینیس آگے آگے تھیں۔ ابھی وہ کار کے نزدیک پہنچی ہی تھیں کہ انہوں نے ایک زوردار کڑک کی آواز سنی۔ کڑ ڑ ڑ ڑ ــــــ اور پھر ان کا ذہن ڈوبتا چلا گیا۔

مسز جینیس کے جسم کے پچھلے حصے میں داہنے کندھے کے اوپر بجلی گر چکی تھی۔ انہیں ایسا لگا تھا جیسے بندوق کی گولی جسم کو چھیدتی چلی گئی ہو جیسا کہ انہوں نے بعد میں بتایا۔ ان کے کپڑوں میں آگ گئی بارش کی وجہ سے یہ آگ جلد ہی بجھ گئی پھر بھی اس نے ان کی ٹانگوں کو جلا دیا۔ کندھے کے اوپر کا حصہ جہاں بجلی گری تھی اس طرح سیاہ پڑ گیا تھا جیسے جلا ہوا گوشت ہو۔ مسز جینیس کی آٹھ سالہ بچی کینڈس نے اپنی ممی پر بجلی گرتے دیکھا تو خوفزدہ ہو کر پیچھے کی طرف بھاگی جدھر اسکے ڈیڈی آرہے تھے۔ مسٹر این نے دُور سے دیکھا کہ انکی بیوی کے جسم میں آگ لگی ہوئی ہے وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ دھواں اور بالوں کے جلنے کی بُو اور خوف میں انہیں محسوس ہوا کہ شاید انکی بیوی مر چکی ہے کیونکہ وہ زمین پر پڑی ہوئی تھی اور اسکے جسم سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! مسز جینیس کو فوراً اسپتال لے جایا گیا جہاں انہیں آٹھ گھنٹے کے بعد ہوش آگیا۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے پوچھا: "کیا ہوا تھا؟ میں یہاں کیوں ہوں؟" اور جب مسٹر این نے بتایا کہ اس پر بجلی گر گئی تھی تو انہیں یقین نہیں آیا اور وہ بے ساختہ بولیں: "کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہو؟" مسز جینیس کے گلے میں ایک نیکلس تھا جو مڑ تڑ کر ایک گول پھندا بن چکا تھا۔ وہ آج بھی اس دن کو یاد کرتی ہیں تو خوف سے ان کے بدن میں تھرتھری چھوٹ جاتی ہے۔ خدا نے بچا لیا ورنہ زندگی جانے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔

مسز جینیس کے سر اور کاندھے کا وہ حصہ جہاں بجلی گری۔

واپسی اپنوں میں ہی

عباس عالم

بلی کا وہ بچہ ابھی چھوٹا ہی تھا مگر اچھلنا کودنا خوب سیکھ گیا تھا۔ فلیٹوں کی جس بلڈنگ میں اس کا ٹھکانہ تھا۔ اس کی سیڑھیوں اور گیلریوں میں چھلانگیں لگانا اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ اس کا ٹھکانہ گراؤنڈ فلور کے ایک زینے کے نیچے پڑے ہوئے کاٹھ کباڑ میں تھا جہاں اس کے علاوہ تین بلی کے بچے اور بھی تھے اور دیگر کیڑے مکوڑوں کے لئے بھی وہ جگہ کچھ بری نہیں تھی۔

یوں تو فلیٹوں کے مکینوں کے لئے کوڑا کرکٹ پھینکنے کا مناسب انتظام کیا گیا تھا اور باقاعدگی سے ہر صبح نو بجے کوڑے کرکٹ کی صفائی کی جاتی لیکن پھر بھی بعض لاپروا لوگ کھانے پینے کی چیزیں اس زینے کے نیچے ڈال جاتے جہاں وہ چھوٹے موٹے جانوروں کے کام آتیں جن میں یہ تین بلی کے بچے بھی شامل تھے۔

ان کی شروع کی زندگی میں ان چیزوں نے بڑی

مدد کی۔ کہیں جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جب جی چاہتا ایک ٹوٹے ہوئے کواڑ کے اوپر سے گزرتے اور دوسری طرف چاول، گوشت اور دوسری کتنی ہی چیزیں انتظار کر رہی ہوتیں۔ اچھی زندگی تھی۔ لیکن بلی کے جس بچے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسے زیادہ پسند نہیں آئی۔

"باہر نکل کر دیکھنا چاہیے۔" اس نے سوچا چند ہی روز میں وہ آس پاس کے لوگوں اور ماحول کو سمجھ گیا اور چند بچے بھی اس سے مانوس ہو گئے۔ وہ صبح اسکول جاتے ہوئے اپنے ٹفن میں ہاتھ ڈالتے اور بلی کے بچے کو کوئی نہ کوئی مزیدار چیز مل جاتی۔ شکریہ ادا کرنا وہ کبھی نہ بھولتا۔

بلڈنگ میں اِدھر اُدھر گھومنے سے اسے معلوم ہوا کہ اس عمارت میں ایسی کئی اور جگہیں بھی ہیں جہاں بلی کے دوسرے بچے بھی رہتے ہیں۔

کچھ جگہیں خطرناک بھی تھیں۔ الٹے ہاتھ پر جہاں زینوں کی قطاریں ختم ہوتی تھیں ایک کھلا ہوا مین ہول تھا۔ پھر پانی کی زیر زمین ٹنکیوں کے ڈھکن بھی اکثر کھلے ہوتے ان میں گرنے کا خطرہ الگ تھا۔ یہ سب بلی کے بچے نے بالکل شروع میں ہی دیکھ لیا تھا۔

عمارت کے مین گیٹ کے باہر جانا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ سامنے میدان تھا جس میں کتے بیٹھے نظر آتے۔ بلی کے بچے نے کبھی کتوں کو قریب سے نہ دیکھا تھا اور دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا وہ تو عجیب وحشی سے معلوم ہوتے۔ درندوں جیسے۔

"یہ تو مجھے کھا بھی سکتے ہیں"۔ وہ سوچتا اور پھر دبے پاؤں پلٹ آتا۔

دن کے اکثر حصے میں وہ اپنے ٹھکانے سے دور ہی رہتا۔ شام ڈھلے جب پلٹ کر آتا تو اس کے پیر میلے ہوتے۔ دوسرے بلی کے بچے اسے تعجب سے دیکھتے۔ لیکن ہلکی سی ناگواری کی آواز نکالنے کے سوا کچھ اور کرنے سے گریز کرتے۔

یوں بھی اسے کسی سے مطلب ہی کب تھا۔ چپ چاپ ٹوٹے ہوئے کواڑ کا پل پار کرتا ہوا دوسری طرف اندھیرے میں اتر جاتا جہاں چند میلے سے کپڑوں کے درمیان اس کا بستر بنا ہوا تھا۔

دن گزرتے جا رہے تھے۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ اسکول جانے والے بچے اب زینہ اترتے تو سوئٹر اور کوٹ وغیرہ پہنے ہوئے ہوتے۔ سردی زیادہ ہوتی تو ان کے ہاتھ بھی سوئٹر اور پتلون یا کوٹ کی جیبوں میں ہوتے۔ ایسے میں وہ ٹفن کھولنے میں دقت محسوس کرتے اور یونہی ہاتھ ہلاتے ہوئے نکل جاتے۔

بلی کا بچہ ذرا بڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اب آس پاس کی ایسی چند کھڑکیوں کا پتہ بھی لگا لیا تھا جن میں باہر سے جالی نہیں لگائی گئی تھی یا شاید ٹوٹ گئی تھی۔ بہرحال زینے سے چھلانگ لگا کر کچن میں جانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ کچن میں تو بے شمار چیزیں ہوتیں لیکن بلی کا بچہ ہونے کی وجہ سے اس کی دلچسپی دودھ کی دیگچی سے ہوتی۔

مختلف اوقات میں مختلف فلیٹوں کا چکر لگاتے رہنے سے وہ جان گیا تھا کہ رات بھر تو کچن میں دودھ کی دیگچی کے موجود ہونے کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ دودھ استعمال نہیں کیا جاتا اور فریج میں رکھا جاتا ہے۔

صبح سویرے ناشتے کے لئے دودھ باہر نکالا جاتا ہے اور اس کے بعد اکثر وہ کئی گھنٹے یعنی سات بجے سے کوئی گیارہ بجے تک کچن ہی میں ہوتا ہے۔

دودھ پینا ہو تو یہ اوقات مناسب ہیں۔ وہ سمجھ گیا تھا نو دس بجے کے دوران وہ مختلف فلیٹوں کا چکر لگاتا۔ دوسری منزل میں دائیں جانب کا فلیٹ اس معاملے میں زیادہ بہتر ثابت ہوا وہاں کوئی بھی تو نہیں ہوتا تھا۔ کوئی بھی تو نہیں ___ بالکل خالی ___

اور کچن میں گیس کے چولھے کے پاس گھی کے ڈبے کے آگے دودھ کی دیگچی رکھی ہوتی جس کے اوپر اسٹیل کی ایک پلیٹ ڈھکی ہوتی بلی کا بچہ اپنا دایاں پنجہ پلیٹ پر رکھ کر اسے ہلکے سے دباتا، نہایت ہلکی سی آواز کے ساتھ پلیٹ ایک طرف سرک جاتی اور دودھ اس کی زبان سے چند انچوں کے فاصلے پر ہوتا۔

سارا تو پی بھی نہیں سکتا تھا۔ بہر حال مزا خوب آتا اب اس نے زینے کے نیچے پڑی ہوئی چیزوں کو ہاتھ لگانا چھوڑ دیا تھا۔ اور اسکول کے بچوں کو بھی ذرا کم ہی لفٹ کراتا۔

خاصے دن گزر گئے۔ ایک دن وہ حسب معمول دن کے دس بجے نکلا۔ بلی کے دوسرے بچے کواڑ کے اوپر پڑی ہوئی کوئی چیز، شاید چاول کھا رہے تھے۔ اس نے لاپرواہی سے انہیں دیکھا پاس سے گزرا۔ دھیرے دھیرے دو منزلیں طے کیں۔ بھوک خاصی لگ رہی تھی۔ اس نے ہلکے سے انگڑائی لی پھر اوپر کھڑکی کی جانب دیکھا جس سے چھلانگ لگا کر اسے کچن میں داخل ہونا تھا۔

ذرا سا اندازہ کیا اگلے ہی لمحے وہ کچن میں تھا لیکن یہ کیا! کچن میں تو ایک عورت کھڑی ہوئی تھی۔ خوب موٹی سی۔ بلی کے بچے کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔ شاید وہ ڈر گئی تھی لیکن ایمانداری کی بات ہے کہ بلی کا بچہ زیادہ خوفزدہ ہوا تھا۔

"یہ کیا ہو گیا!" اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ فوراً پلٹ کر ایک چھلانگ لگائی اور واپس زینے میں آیا۔ زینے میں آکر اس نے دوبارہ منہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ کھڑکی سے وہی عورت جھانک رہی تھی۔ شش! شش! اس نے زور سے آواز نکالی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پانی کا جگ بلی کے بچے پر انڈیل دیا۔ "توبہ!" بلی کا بچہ اچھل پڑا۔ سخت سردی تھی۔ اوپر سے پانی بھی شاید فریج میں رکھا ہوا تھا۔ بھیگا ہوا وہ واپس ہوا۔ نیچے دوسرے بلی کے بچوں نے حیرت سے اس کو دیکھا لیکن کچھ کہے بغیر آپس میں باتیں کرتے رہے۔

بلی کا بچہ خاموشی سے اپنے کونے میں آگیا اور پھٹے ہوئے ایک کوٹ کی آستین سے اپنا بدن خشک کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس پر سخت اداسی

طاری ہو گئی تھی۔ افسردگی سے اس نے آس پاس دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ کوٹ کی آستین میں منہ چھپایا اور سو گیا۔

شام کو اس کی آنکھ کھلی تو آس پاس خاصی چہل پہل تھی۔ اس وقت بچے زینے کے نزدیک کرکٹ کھیلتے تھے اور ان کی گیند اکثر اسی زینے کے نیچے آجاتی جس کے نیچے بلی کا بچہ رہتا تھا۔ باہر سے بچوں کے شور کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

بلی کا بچہ دھیرے سے اٹھا۔ اب تو بھوک بہت شدید ہو گئی تھی۔ آس پاس بلی کے دوسرے بچے بھی نہیں تھے اور! اور! کھانے کی چیزیں بھی غائب تھیں جو صبح میں تو وہاں پڑی ہوتیں لیکن شام کو نامعلوم کہاں غائب ہو جاتیں۔

بلی کا بچہ باہر آیا۔ ہر طرف بچے کرکٹ کھیل رہے تھے گیند لگنے کا سخت خطرہ تھا۔ وہ گھومتا ہوا بیرونی گیٹ کی طرف نکل گیا باہر میدان تھا اور دور سے کتے بیٹھے ہوئے نظر آرہے تھے۔"میدان میں شاید کھانے کی کوئی چیز ہو لیکن یہ کتے۔ کیا کیا جائے؟"

مایوس ہو کر وہ واپس پلٹ آیا۔ شام گزر گئی اور اسے کھانے کو کچھ نہ مل سکا۔ رات کے کھانے کے بعد حسب معمول لوگوں نے چند چیزیں زینے کے نیچے پھینک دیں۔ بہت دن کے بعد بلی کا بچہ ان چیزوں میں باقی بلی کے بچوں کے ساتھ شریک ہوا۔ دوسرے دونوں بلی کے بچوں نے حیرت سے اسے دیکھا لیکن کچھ نہ کہا۔

ر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔
۱) سلام کا جواب دینا۔
۲) بیمار کی عیادت کرنا۔
۳) جنازے میں شریک ہونا۔
۴) دعوت قبول کرنا۔
۵) چھینک آنے کے جواب پر یرحمک اللہ کہنا۔

یہ دوسری بات کہ اس نے خود ہی نہ کھایا گیا۔ رات مشکل سے گزری۔ اگلی صبح وہ زیادہ برداشت نہ کر سکا۔ نو بجے ہی اٹھا اور دوسری منزل کا رخ کیا۔" آج تو وہ عورت یقیناً نہیں ہو گی۔"اس کا خیال تھا۔

بھوکا ہونے کی وجہ سے وہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اپنی مخصوص جگہ پہنچ کر، جہاں سے وہ چھلانگ لگاتا تھا، وہ ذرا رکا۔ اوپر دیکھا لیکن! اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ کھڑکی میں جالی لگ چکی تھی۔ اس نے دوبارہ دیکھا۔ کھڑکی میں ایک نہایت مضبوط لوہے کی جالی اس کے سامنے تھی جس کو پار کرنا کم از کم اس کے لئے ناممکن تھا۔ چند منٹ وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ پھر اس کی سمجھ میں کچھ کچھ آنے لگا۔ وہ دوبارہ نیچے اترا، نیچے بلی کے دوسرے بچوں نے ابھی کواڑ پر پڑی ہوئی چیزوں کو کھانا شروع ہی کیا تھا۔ وہ ان کے نزدیک پہنچا اور جھجکا کر ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔

نافرمان لڑکے کی سزا

امان اللہ نیر شوکت

سن لو اک آوارہ لڑکے کی ذرا تم داستاں
بن گیا جس کے لئے دوزخ نما سارا جہاں

علم کا اس نوجواں کو کچھ بھی تو نہ ذوق تھا
کھیلنے کا ہر گھڑی اس کو بہت ہی شوق تھا

پھرتا رہتا تھا وہ گلیوں میں یونہی شام وسحر
تنگ اس سے آچکے تھے ہر محلے کے بشر

بس پتنگیں ہی اڑانا اچھا لگتا تھا اسے
بات یہ سب کو بتانا اچھا لگتا تھا اسے

اس کی ماں نے بارہا اس کو نصیحت کی مگر
وہ نہیں بدلا یونہی چلتا رہا اپنی ڈگر

ایک دن اونچی عمارت پر اڑائی جو پتنگ
حشر کچھ ایسا ہوا کہ رہ گیا ہر شخص دنگ

بے خودی میں پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرا
خود بھی اس کو علم نہ تھا وہ بھلا کیسے گرا

بازو ٹوٹا، ٹانگ ٹوٹی ہو گیا معذور وہ
ایک پل میں ہو گیا زخموں سے کتنا چُور وہ

اب وہ پچھتانے لگا لیکن یہ سب بے سُود تھا
اس گھڑی میں پاس اس کے کوئی نہ موجود تھا

جو کہا مانا نہیں کرتے کسی کا دوستو
ڈھونڈتے ہیں دوسروں کا وہ سہارا دوستو

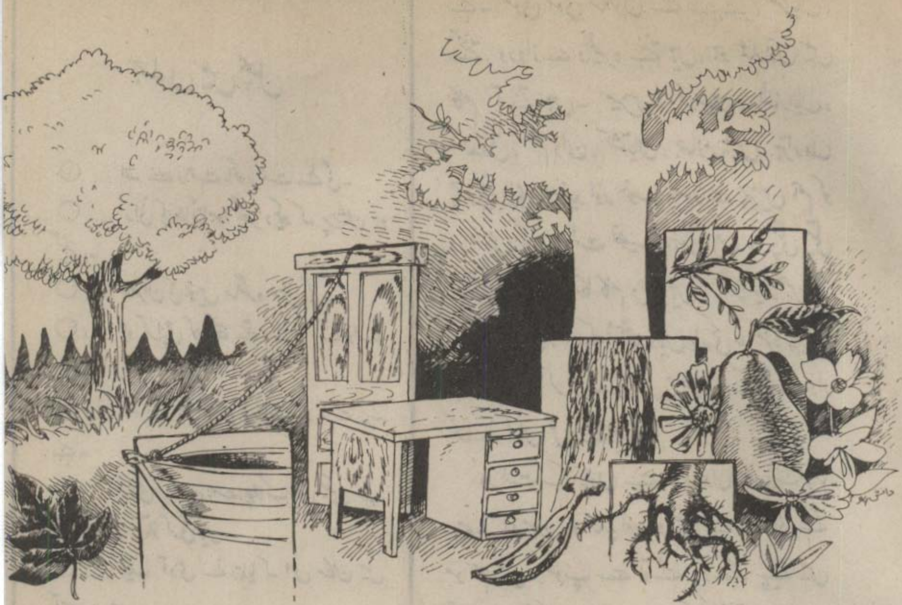

درخت

سید مسعود حسن رضوی ادیب

درخت بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ اس سے طرح طرح کے فائدے حاصل ہوتے ہی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر درخت نہ ہوتے تو ہمارا کام ہی نہ چلتا۔

درخت کے کئی حصے ہوتے ہیں، جڑ، تنا، شاخیں اور پتے۔ پھول اور پھل ہمیشہ نہیں ہوتے۔ اپنے اپنے موسم میں چند روز کے لئے نکل آتے ہیں۔ بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں نہ پھول ہوتے ہیں، نہ پھل۔ اسی لئے ہم نے پھول اور پھل کو درخت کے حصوں میں شمار نہیں کیا۔

درخت کا ہر حصہ کسی نہ کسی کام میں آتا

ہے۔ موٹی موٹی شاخوں سے شہتیر، لکڑیاں، تختے، دروازے وغیرہ بنتے ہیں، جو عمارتوں میں کام آتے ہیں۔ میزیں، کرسیاں، الماریاں، صندوق، قلم دان، کشتیاں، جہاز، ریلیں، ہزاروں چھوٹی بڑی، مفید اور خوب صورت چیزیں ہم کو درختوں کی بدولت نصیب ہوتی ہیں۔ پتلی پتلی شاخیں ایندھن کا کام دیتی ہیں۔ اگر ایندھن نہ ملے تو آدمی بھوکے بیٹھے رہیں یا کچی بد مزہ چیزیں کھا کر گزارہ کریں۔ یہ طرح طرح کے مزے دار کھانے کہاں مل سکتے ہیں؟

درخت کے پتوں سے جانوروں کا پیٹ پلتا ہے۔ آدمیوں کو سایہ اور ہوا ملتی ہے۔ گرمی کے موسم میں دھوپ سے تونسے ہوئے، پسینے میں شرابور مسافر کو جب راستے میں کوئی چھتنار درخت مل جاتا ہے۔ اور وہ اس کی گھنیری چھاؤں میں دم لینے کے لئے ٹھہر جاتا ہے، اس وقت اس کے دل سے پوچھو کہ درخت خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ پتوں کے دونے، پتل پتریاں وغیرہ بھی بنتی ہیں۔ تاڑ کے پتوں اور کھجوروں کی پتیوں سے چٹائیاں بناتے ہیں۔

پھلوں کا تو کہنا ہی کیا۔ ایک سے ایک اچھا، ایک ایک سے ایک خوش ذائقہ، آم، جامن، امردو، کیلا، نارنگی، سیب، ناشپاتی، لیچی، آڑو، طرح طرح کے پھل درختوں سے ہاتھ آتے ہیں۔

بعض لڑکے خیال کرتے ہوں گے کہ درختوں کی اور سب چیزیں تو کام میں آتی ہیں مگر پھولوں

جملوں میں پھل

○ ...... اللہ سے رحمت مانگو رحمت ملے گی۔

○ ...... رانی کی ملاتا ہوا گھر دیکھ کہ پریشان ہو گئیں۔

○ ...... کامران کی نویں سالگرہ منائی گئی۔

○ ...... ابو کراچی کو گئے تھے واپس آنے والے ہیں۔

○ ...... سردی کا موسم بی اماں کو بہت پسند ہے۔

○ ...... ہماری پڑوسن بہت چالاک ہیں لیکن سب سے شریفانہ برتاؤ کرتی ہیں۔

○ ...... ایک آدمی نے بتایا کہ اس مکان میں آسیب ہے۔

○ ...... زیادہ تر بُو زبیدہ کے کپڑوں میں سے آرہی ہے۔

○ ...... پپی تایا کے گھر ہے۔

○ ...... انار کلی کمپلیکس میں میرے دوست رہتے ہیں۔

مرسلہ:۔ نعمان غوری۔ نارتھ کراچی۔

جوابات

۱۔ انگور	۶۔ شریفہ
۲۔ ملتا	۷۔ سیب
۳۔ کینو	۸۔ تربوز
۴۔ چیکو	۹۔ پپیتا
۵۔ موسمی	۱۰۔ انار

سے کوئی کام نہیں نکلتا۔ نہ وہ کھائے جاتے ہیں، نہ ان سے کوئی کام کی چیز بنتی ہے۔ مگر تم ایسا ہر گز خیال نہ کرنا۔ خدا نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی۔ جب ہم رنگ رنگ کے پھول دیکھتے اور ان کی خوش بو سونگھتے ہیں تو ہمارا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کو نور، دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ ہم کتنے ہی رنجیدہ ہوں، کیسی ہی فکر میں مبتلا ہوں مگر تھوڑی دیر کے لئے ہمارا غم غلط ہو جاتا ہے۔ اب تم نے دیکھا کہ پھول کتنا بڑا کام کرتے ہیں کہ ہمارا رنج و غم دور کر کے ہمارے دل کو خوش کر دیتے ہیں۔

شادی بیاہ کے موقع پر دولھا پھولوں کا سہرا باندھتا ہے۔ پھولوں کی بدھی پہنتا ہے۔ اکثر براتیوں کو بھی پھولوں کے ہار پنھائے جاتے ہیں۔ عورتیں، خاص کر نئی دلہنیں، پھولوں کا زیور پہنتی ہیں جو دیکھنے میں بہت ہی بھلا لگتا ہے۔ پھولوں سے طرح طرح کے عطر بھی بنتے ہیں۔ بیلے کا عطر، چنبیلی کا عطر، جوہی کا عطر، گلاب کا عطر، موتیے کا عطر، مہندی کے پھولوں کا عطر، مولسری کے پھولوں کا عطر،

غرض درخت کا کوئی حصہ بے کار نہیں ہے۔ سوکھے ہوئے پتے تک کام میں آجاتے ہیں۔ تم نے بھڑبھونجوں کے یہاں خشک پتوں کے بڑے بڑے انبار دیکھے ہوں گے۔ یہ لوگ پت جھاڑ کے دنوں میں باغوں سے سوکھے ہوئے پتے سمیٹ لاتے ہیں۔ یہی پتے بھاڑ میں جھونک کر بھاڑ گرم کرتے ہیں اور دانے بھونتے ہیں۔

خزاں کے دنوں میں یعنی جاڑوں کے آخر اور گرمیوں کے شروع میں درختوں کے پتے زرد ہو ہو کر گرنے لگتے ہیں۔ اسے "پت جھاڑ" کہتے ہیں۔ بعض درختوں کے سب پتے گر جاتے ہیں۔ درخت بالکل ننگے رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر کونپلیں پھوٹتی ہیں اور نئے نئے پتے نکل آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے درختوں نے اپنا پرانا لباس اتار کر نئے کپڑے پہن لئے۔

بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک طرف ان کے پرانے پتے گرتے جاتے ہیں، دوسری طرف نئے پتے نکلتے آتے ہیں، وہ کبھی بالکل لنڈ منڈ نہیں ہو جاتے، ہمیشہ ہرے بھرے رہتے ہیں۔ اسی لئے ایسے درختوں کو "سدا بہار" کے درخت کہتے ہیں۔ رمنوں اور پارکوں میں اکثر ایسے ہی درخت لگائے جاتے ہیں اگر ایسا نہ کیا جائے تو پت جھاڑ کے دنوں میں پارک اجاڑ اجاڑ سے معلوم ہونے لگیں اور ہوا خوری کا لطف باقی نہ رہے۔

ایک عدد خوبصورت قلم کا تحفہ

قلم دوست میں شائع ہونے والی ہر ماہ کی بہترین نظم اور کہانی کا انتخاب کرکے ہمیں بتلایئے اور ایک عدد خوب صورت قلم حاصل کیجئے...... جنوری کی سب سے اچھی کہانی سید نوید احمد کی "منزل ہے کہاں میری" رہی جبکہ محمد عظیم قریشی کی "مچھر" بہترین نظم قرار پائی۔

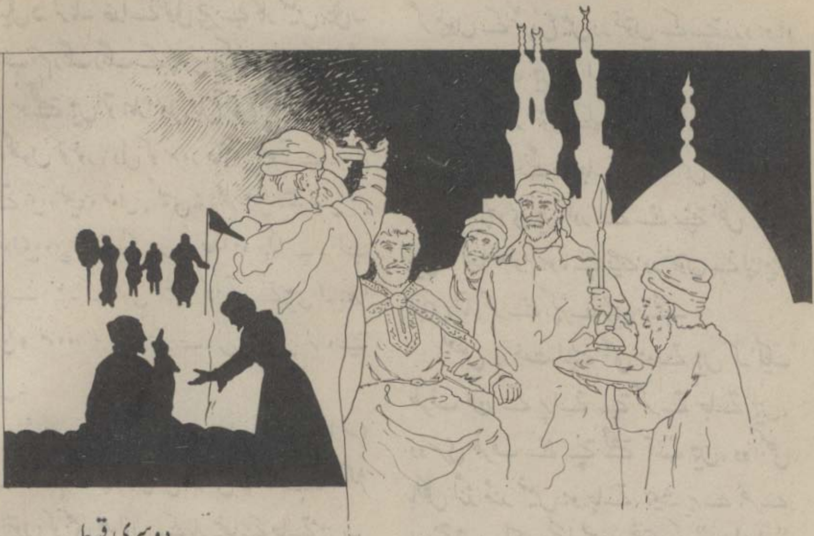

دوسری قسط

سوتا جاگتا ابوالحسن

سیّد نیّر مسعود

خلیفہ ہارون الرشید حسب عادت بھیس بدل کر رعایا کا حال معلوم کرنے نکلا۔ ایک پل پر اس کی ملاقات ابوالحسن سے ہوئی۔ ابوالحسن نے خلیفہ کو نہ پہچانتے ہوئے اپنا مہمان بننے کی دعوت دی اور شرط لگائی کہ رات کا کھانا کھا کر اور رات گزار کر صبح ہی صبح وہ چلا جائے گا۔ خلیفہ کے پوچھنے پر شرط کی وجہ ابوالحسن نے یہ بتائی کہ وہ ماضی میں اپنے دوستوں کی وجہ سے ساری دولت لٹا چکا ہے۔ اس لئے کسی پر بھروسہ نہیں کرتا لیکن اکیلے کھانے کی عادت بھی نہیں ہے۔ اس لئے ہر رات کسی نہ کسی کو رات بھر کا مہمان بناتا ہے۔ خلیفہ شرط مان کر ابوالحسن کے گھر چلا جاتا ہے۔ کھانے کے دوران باتوں باتوں میں ابوالحسن اپنی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ کاش وہ ایک دن کے لئے خلیفہ بن جائے تاکہ ظالموں کو سزا دے سکے۔ خلیفہ ہارون الرشید اس کی

یہ خواہش پوری کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنے محل میں لے جانے کی خاطر کھانے میں دوا ملا کر بے ہوش کر دیتا ہے۔
(اب آپ آگے پڑھئے)

(منظر) خلیفہ کا محل

[خلیفہ کے سونے کا کمرہ۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ بہت سے غلام کنیزیں اور خواجہ سرا خلیفہ کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ خلیفہ داخل ہوتا ہے، پیچھے پیچھے غلام ابو الحسن کو کندھے پر لادے ہوئے آتا ہے۔ خلیفہ کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں]

خلیفہ: دیکھو! (ابو الحسن کی طرف اشارہ کر کے) اس جوان کو میں ایک دن کے لئے اپنی جگہ دے رہا ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ جس طرح مجھے سُلاتے ہو، اسی طرح اسے سُلاؤ، جس طرح مجھے سرکہ سُنگھا کر نرمی سے جگاتے ہو، اسی طرح اسے سرکہ سُنگھا کر جگاؤ، جس طرح مجھے "امیر المومنین" کہہ کر پکارتے ہو، اسی طرح اسے "امیر المومنین" کہہ کر پکارو۔ (سب لوگ اپنے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر خلیفہ کے آگے جھکتے ہیں) "جعفر اور مسرور کو بلاؤ۔"

[ایک غلام لپک کر باہر جاتا ہے اور ذرا ہی دیر کے بعد وزیر اعظم جعفر برمکی اور خواجہ سراؤں کے سردار مسرور کے ساتھ واپس آتا ہے]

مسرور اور جعفر: (جھک کر سلام کرتے ہیں) السّلام علیکم یا امیر المومنین!

خلیفہ: وعلیکم السلام۔ مسرور! ایک دن کے لئے میری جگہ یہ جوان تیرا آقا ہے۔ (ابو الحسن کی طرف اشارہ کرتا ہے) جس طرح روز سویرے تو مجھ کو نماز کے لئے اٹھاتا ہے، اسی طرح اس کو بھی اٹھانا۔ اور جعفر! کبھی کبھی خلیفہ بھی تفریح کرنا چاہتا ہے! کل یہ آدمی میری جگہ تخت پر بیٹھے گا۔ جس طرح میرا حکم مانتے ہو، اسی طرح اس کا حکم ماننا۔ جس کو یہ سزا دلوائے، اس کو فوراً سزا دینا، اور جس کو یہ انعام دلوائے اس کو فوراً انعام دینا۔ (جعفر اور مسرور سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکاتے ہیں) بس پھر اب تم لوگ اس کو میرے کپڑے پہنا کر میرے بستر پر لٹاؤ۔ میں صبح کو چھپ کر اس کے جاگنے کا تماشا دیکھوں گا۔

[سب کے سلام لیتا اور جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتا ہوا چلا جاتا ہے۔ کافور ابوالحسن کو مسہری پر لٹا دیتا ہے۔ سب مسہری کو گھیر لیتے ہیں۔ ایک کنیز خلیفہ کی پوشاک لے کر آگے بڑھتی ہے۔ ابو الحسن کو پوشاک پہناتے وقت سب لوگ بہت دھیمی آوازوں میں باتیں کرتے جاتے ہیں جو صاف سنائی نہیں دیتیں۔ بس کبھی کبھی "یہ کیا سُوجھی"، "نہ جانے کون ہے" قسم کے جملے سنائی دیتے ہیں۔ لباس بدلنے کے بعد ابو الحسن کو ایک بہت خوبصورت رضائی اُڑھا دی جاتی ہے۔ رضائی اور ابو الحسن کے چہرے اور تکیے پر عطر لگا دیا جاتا ہے۔ پھر سب لوگ اُلٹے پیروں آہستہ آہستہ واپس چلے جاتے ہیں۔ ابو الحسن دو تین مرتبہ سوتے میں منہ چلاتا ہے۔ پھر کروٹ بدل کر زور زور سے خراٹے لینے لگتا ہے۔ روشنی کم ہوتی چلی جاتی ہے]

(منظر) محل میں سونے کا کمرہ

[ابوالحسن بڑے بے تکے پن سے خلیفہ کے بستر پر لیٹا سو رہا ہے۔ رضائی آدھی نیچے پڑی ہوئی ہے۔ ابو الحسن کا سر بھی مسہری کی پٹی سے نیچے لٹک آیا ہے۔ دور سے مرغ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ پھر کہیں قریب ہی سے اذان کی آواز آتی ہے۔ روشنی تیز ہو جاتی ہے۔

رات والے سب خدمت گار داخل ہوتے ہیں۔ کچھ کے ہاتھوں میں مورچھل ہیں، کچھ اُگال دان اور کچھ گانے بجانے کا سامان لئے ہوئے ہیں۔ مسرور خواجہ سرا ابو الحسن کو جگانے کے لئے اسفنج کا ایک ٹکڑا، جو سرکے میں تر ہے، اس کی ناک کے قریب کرتا ہے۔ ابو الحسن زور سے چھینکتا ہے مسرور اچھل کر پیچھے ہٹ جاتا ہے]

ابوالحسن: (آنکھیں بند ہیں) لاحول ولاقوۃ ...... آخ ...... (ایک کنیز لپک کر سونے کا اگال دان اس کے منہ کے آگے کر دیتی ہے) ...... تھو! کیا مزے کی نیند آئی ہے! (ہاتھ موڑ کر زور زور سے پیٹھ کھجاتا ہے۔ رضائی کو پھر اپنے اوپر کھینچنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی نرمی محسوس کر کے آنکھیں کھول کر اسے غور سے دیکھتا ہے) کتنی عمدہ! ...... م ...... مگر یہ میری تو ہے نہیں! (سامنے کھڑی ہوئی کنیزوں پر نظر پڑتے ہی بوکھلا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔

ایک ایک کنیز اور غلام کو باری باری گھور کر دیکھتا ہے۔ آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی جاتی ہیں) یا اللہ ......! (کمرے کی سجاوٹ کو دیکھتا ہے کچھ دیر تک بیٹھا رہتا ہے۔ پھر دھیرے دھیرے انگلیوں سے سر پر طبلہ بجاتا ہے۔ آخر چہرے پر اطمینان کی جھلک آ جاتی ہے بڑبڑاتا ہے) آہ خواب! مگر کتنا حسین!! (آنکھیں بند کر کے لیٹنے لگتا ہے مگر فوراً مسرور آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ ابو الحسن پھر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ سامنے لٹکے ہوئے پردے کے پیچھے سے خلیفہ جھانکتا ہے اور پھر ہٹ جاتا ہے)

مسرور: امیر المومنین! اٹھیے نماز کا وقت جا رہا ہے۔

ابو الحسن: ایں؟ امیر المومنین؟ یعنی کہ خلیفہ؟ (دیدے نچاتا ہے) مگر بھلے مانس! میرا نام امیر المومنین نہیں، ابو الحسن ہے۔

مسرور: (ہنستا ہے) حضور غلاموں کے ساتھ مذاق فرما رہے ہیں!...... اور ابو الحسن کون؟ حضور کی زبان سے پہلی مرتبہ یہ نام سن رہا ہوں!

ابو الحسن: (حیرت سے مسرور کو تکتا رہتا ہے) میں جاگ رہا ہوں کہ سو رہا ہوں!؟

[ایک کنیز بربط بجاتی ہوئی اس کے آگے جھکتی ہے۔ پیچھے کھڑی ہوئی کنیزیں بھی ہلکے سروں میں ساز بجانے لگتی ہیں۔ ابو الحسن ان کی دھن کے ساتھ سر مٹکاتا ہے۔ پھر ایک دم سر کو دو تین بار زور زور سے جھٹک کر آنکھیں بند کر لیتا ہے]

مسرور: (پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہے) یا امیر المومنین! کیا خدانخواستہ کچھ طبیعت صاف نہیں ہے جو آج نماز قضا فرمائی؟ سارے درباری آ چکے ہیں اور حضور کا انتظار ہو رہا ہے۔

ابو الحسن: (چونک کر آنکھیں کھول دیتا ہے کچھ دیر مسرور کو گھورتا رہتا ہے) پیارے بھائی! اگر تمہاری آنکھیں ٹھیک ہوں تو ذرا غور سے مجھے دیکھو، خوب اچھی طرح، گھور کر! (مسرور ابو الحسن کی آنکھوں میں گھورتا ہے) ہاں یہ بات ہوئی! اچھا اب اگر تمہارا دماغ ٹھیک ہو تو اک ذرا اس پر بھی زور ڈالو اور بتاؤ تو سہی کیا تم نے اس سے پہلے بھی

مجھے کہیں دیکھا ہے؟ اور کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

مسرور: امیر المومنین!! آج آپ کی زبان مبارک سے یہ غلام عجیب باتیں سن رہا ہے! بھلا آپ کا خادم مسرور اپنے آقا کو نہ پہچانے گا؟ آپ امیر المومنین سارے مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ ہم سب آپ ہی ....

ابوالحسن: (پیٹ پکڑ کر زور دار قہقہہ لگاتا ہے) ہاہاہا...... مسرور ہم تمہاری باتوں سے خوش ہوئے ہاں، ہم امیر المومنین ہیں اور اپنے بعد ہم تمہیں کو خلیفہ بنائیں گے .... مگر .... (پھر رک کر آنکھیں ملتا اور ادھر ادھر دیکھتا ہے) ..... کیا سچ مچ ..... ؟

(اشارے سے ایک کنیز کو پاس بلاتا ہے)

کنیز: (قریب آکر ادب سے جھکتی ہے) کنیز کے لئے کیا حکم ہے؟ امیر المومنین؟

ابوالحسن: (اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے) نیک بخت! لے ذرا میری انگلی میں کاٹ تو سہی، دیکھوں جاگ رہا ہوں کہ سوتا ہوں (کنیز اس کی انگلی میں خوب زور سے کاٹ لیتی ہے، ابوالحسن تلملا کر چیختا ہے) ارے مر گئے!!! کم بخت! او کنیز کی بچی! بتا تو نے کس کی انگلی میں کاٹا؟

کنیز: (ہاتھ جوڑ کر) امیر المومنین میں نے آپ کے حکم سے آپ کی شان میں یہ گستاخی کی، مجھے معاف کر دیجئے۔

ابوالحسن: (باچھیں کھل جاتی ہیں) معاف کیا، بالکل معاف کیا!

[مسہری سے اتر کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مسرور بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔ "السلام السلام" کا شور مچتا ہے۔ پھر سب خواجہ سرا مل کر ابوالحسن کو شاہی پوشاک پہناتے ہیں۔ اس کے بعد سب لوگ دو قطاروں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسرور ابوالحسن کا بازو پکڑ کر اسے ان کے بیچ سے آہستہ آہستہ باہر لے جاتا ہے]

(پھر کیا ہوا۔ آئندہ شمارے میں پڑھیے)

اُردو کا سب سے بڑا شاعر

ڈاکٹر اسلم فرخی

دونوں لڑکے چیزیں کھکھوڑتے رہے۔ ادھر ادھر ڈھونڈتے رہے مگر کچھ ہو تو ملے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہوگئے تو کہنے لگے۔ دادا جان ہمیں کچھ پیسے دے دیجئے۔ بڑی ضرورت ہے۔ دادا جان کھسیانی ہنسی ہنسے اور بولے۔ بیٹا تم سے کہہ دیا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ پیسے کیا تم سے بڑھ کر تھے جو منع کرتا مگر اس وقت کچھ ہے نہیں۔ یہ کہہ کر بڑے میاں ذرا دیر تک کچھ سوچتے رہے۔ پھر ایکا ایکی دونوں لڑکوں کی طرف رخ کر کے یہ شعر پڑھا۔

درم و دام اپنے پاس کہاں
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

لڑکوں نے خوش ہو کر تالی بجائی۔ بولے دادا جان نے کیسا اچھا شعر کہہ دیا ہے۔ واہ واہ پھر کہنے لگے۔ دادا جان واقعی بہت بڑے شاعر ہیں۔

واقعی ان لڑکوں کے دادا بہت بڑے شاعر تھے۔ ایسے زبردست شاعر کم ہوتے ہیں۔ ان کا نام تھا مرزا اسد اللہ اور تخلص تھا غالب۔ تخلص وہ چھوٹا سا نام ہوتا ہے جو شاعر اپنے لئے خود پسند کرتا ہے۔ نام کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کی عرفیت بھی ہوتی ہے۔ بچپن میں ماں باپ، بھائی بہن پیار سے کچھ کہنے لگتے ہیں۔ پیار کا نام عرفیت بن جاتا ہے۔ مرزا غالب کو بچپن میں پیار سے مرزا نوشہ کہا جاتا تھا۔ یہی ان کی عرفیت بن گئی۔ بہت سے دوست احباب ملنے جلنے والے انہیں مرزا نوشہ کہتے تھے۔ مرزا آج سے کوئی دو سو برس پہلے ہندوستان کے تاریخی شہر آگرے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا خاندان فوجی سرداروں کا خاندان تھا۔ دادا پر دادا سب فوجی تھے۔ باپ مرزا عبداللہ بیگ بھی فوجی سردار تھے۔ مرزا پانچ برس کے تھے کہ مرزا عبداللہ بیگ ایک فوجی معرکے میں گولی لگنے سے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مرزا یتیم ہوگئے مگر چچا مرزا نصراللہ بیگ موجود تھے۔ وہ بھی بڑے فوجی سردار تھے۔ انہوں نے بڑے پیار سے یتیم بھتیجے کی پرورش کی۔ قدرت کے کھیل بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ مرزا نو برس کے ہوئے تھے کہ مرزا نصراللہ بیگ بھی ایک حادثے میں چل بسے۔ ہوا یہ کہ ہاتھی پر کہیں جا رہے تھے۔ ہاتھی کو ٹھوکر لگی مرزا نصراللہ بیگ گر پڑے زخمی ہوگئے اور اسی وجہ سے مر گئے۔ بے چارے مرزا دوسری دفعہ یتیم ہوگئے مگر اب ان کے نانا مرزا غلام حسین کمیدان نے ان کی پرورش کی۔ مرزا غلام حسین بھی شہر کے رئیس تھے۔ انہوں نے مرزا کو لکھایا پڑھایا۔ آگرہ تاریخی اور شاہی شہر

تھا۔ اچھے اچھے اور لائق استاد یہاں موجود تھے۔ مرزا نے بھی اچھے استادوں سے پڑھا۔ انہیں کھیل کود سے بھی رغبت تھی۔ پتنگ اڑانے کا شوق تھا۔ یار دوستوں کے ساتھ کھیل کود میں زیادہ وقت گزارتے تھے شعر بھی کہنے لگے تھے۔

مرزا ابھی پورے تیرہ برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کی شادی ہو گئی۔ دلی میں فوجی سرداروں کا ایک خاندان تھا۔اس خاندان کی ایک لڑکی امراؤ بیگم سے ان کی شادی ہوئی۔ شادی کے بعد مرزا دلی آنے جانے لگے اور آخر کار یہیں آباد ہو گئے۔ ساری زندگی اس شہر میں گزار دی۔ مرزا کے باپ دادا فوجی سردار تھے مگر مرزا کے زمانے میں فوجی سردار بہت کم رہ گئے تھے اور مرزا کا مزاج بھی ایسا نہ تھا کہ وہ فوجی آدمی بنتے، وہ شاعر تھے، لکھنے پڑھنے والے آدمی تھے۔ ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ انگریزی حکومت کے ملازم تھے۔ وہ مر گئے تو انگریزوں نے ان کے سگے رشتے داروں کی پنشن مقرر کر دی مرزا کو بھی اس پنشن میں سے حصہ ملتا تھا۔ اسی رقم سے کام چلاتے تھے اور دلی میں رئیسوں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔

جلد ہی مرزا دلی میں شاعر کی حیثیت سے مشہور ہو گئے مگر انہوں نے عام انداز سے ہٹ کر اپنے لئے نیا راستہ نکالا۔ دوسرے شاعر جس طرح شعر کہتے تھے مرزا نے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا زبردست اور روشن ذہن عطا کیا تھا۔ وہ عام چیزوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ معمولی ذہن رکھنے والے معمولی چیزیں پسند کرتے ہیں اور بندھے ٹکے راستے پر چلتے رہتے ہیں۔ بڑے ذہن والے اپنے اور دوسروں کے لئے نیا راستہ نکالتے ہیں۔ شروع شروع میں عام اور معمولی ذہن والے اس راستہ کو نہیں سمجھتے پسند بھی نہیں کرتے۔ طرح طرح کی باتیں بھی کہتے ہیں۔ مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ مرزا کے ساتھ بھی یہی ہوا ان کے زمانے کی شاعری زبان، محاورے اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی تصویروں کی شاعری تھی۔ مرزا نے ان سب کو چھوڑ کر سوچنے اور غور کرنے کا انداز اختیار کیا نہ زبان کے چٹخارے کا خیال کیا۔ نہ محاورے استعمال کئے، نہ لفظوں سے تصویریں بنائیں بلکہ اپنے شعروں سے سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دی۔ زندگی کے بارے میں سوچو دنیا کے بارے میں سوچو۔ انسانوں کے بارے میں سوچو۔ کوئی رائے قائم کرو۔شاعری کو مزے اور تفریح کی چیز نہ سمجھو بلکہ اس پیغام پر غور کرو جو شاعر دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔

یہ ساری باتیں بالکل نئی اور انوکھی تھیں۔ اس لئے اس زمانے کے دلی کے عام شاعروں کو پسند بھی نہیں آئیں اور ان کی سمجھ میں بھی نہیں آئیں جب لوگ کسی بات کو نہیں سمجھتے تو اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ دلی کے شاعروں نے بھی مرزا کی مخالفت کی۔ ایک تو ان کا انداز سب سے الگ تھا اور پھر یہ کہ مشکل بھی تھا۔ نیا انداز اور نیا خیال فوراً سمجھ میں نہیں آتا۔ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مرزا کو فارسی

کے ایک شاعر مرزا عبدالقادر بیدل کی شاعری بہت پسند تھی۔ بیدل بھی بڑے مشکل شاعر تھے۔ کچھ ان کا اثر بھی تھا۔ غرض مرزا کی شاعری کی خوب مخالفت ہوئی مگر بات یہ ہے کہ ہر بڑا آدمی اپنی بات منوالیتا ہے۔ آہستہ آہستہ لوگ مرزا کے نئے انداز اور بڑے پن کو سمجھنے لگے اور انہوں نے خود بھی اپنی شاعری کو نکھار سنوار کر آسان بنانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مرزا سارے ملک میں مشہور ہو گئے۔ وہ صرف اردو کے شاعر نہیں تھے۔ فارسی میں بھی کہتے تھے اور فارسی نثر لکھنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ اس وجہ سے بھی ان کی بڑی شہرت ہوئی۔

یہ سب تھا مگر مرزا آمدنی کم ہونے کی وجہ سے پریشان رہتے تھے۔ بڑی تکلیف اٹھانا پڑتی تھی۔ اکثر قرض لے کر کام چلاتے۔ ایک دفعہ انہیں خیال آیا کہ چچا کی پنشن میں سے جو رقم انہیں ملتی ہے وہ ان کے حق سے کم ہے۔ یہ سوچ کر وہ انگریزوں کے سب سے بڑے حاکم کے پاس کلکتے گئے۔ اس زمانے میں دلی سے کلکتہ کا سفر کچھ حصہ گھوڑے پر طے کیا۔ کچھ فاصلہ کشتی میں طے کیا۔ بڑی تکلیف اٹھائی۔ پھر جس کام کے لئے گئے تھے وہ بھی نہیں ہوا۔ انگریم حاکم نے ان کی بات نہیں مانی۔ مرزا کو ناکام لوٹنا پڑا مگر انہیں یہ یہ فائدہ ہوا کہ انہوں نے ایک نئی تہذیب کو ابھرتے ہوئے دیکھا۔ نئی علمی ترقی دیکھی۔ گیس کی روشنی اور بڑے بڑے جہاز دیکھے انگریزوں کے قاعدے قانون دیکھے۔ ان سب چیزوں نے ان کے ذہن پر بڑا اثر کیا۔ انہیں اندازہ ہو گیا کہ آنے والا زمانہ انہیں چیزوں کا ہوگا پرانی چیزیں اور قاعدے چھوڑنا پڑیں گے۔ ان کی شاعری پر بھی ان باتوں کا اثر ہوا۔

پھر وہی دلی وہی پریشانی۔ دلی کالج میں فارسی کے پروفیسر کی جگہ خالی ہوئی۔ انگریز حاکم نے انہیں بلایا۔ مرزا پالکی میں حاکم سے ملنے گئے۔ رئیس تھے جب حاکم سے ملنے جاتے تو وہ پالکی تک آتا تھا۔ ساتھ اندر لے جاتا تھا۔ اس دفعہ انگریز حاکم پالکی تک نہیں آیا۔ مرزا بیٹھے رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو حاکم باہر آیا اور کہنے لگا۔ مرزا صاحب آپ اس وقت رئیس کی حیثیت سے نہیں آئے ہیں۔ نوکری کے لئے آئے ہیں۔ اس وقت آپ کے ساتھ رئیسوں والا برتاؤ نہیں ہو سکتا۔ مرزا کہنے لگے اگر نوکری سے رہی سہی عزت بھی ختم ہو جائے تو ایسی نوکری کو سلام اور یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔ یہ تھی شان اور خودداری۔ آخر یہ ہوا کہ دلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے مرزا کو مغل خاندان کی تاریخ لکھنے کے لئے ملازم رکھ لیا۔ "نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ۔" کے خطاب دیے۔ پچاس روپے مہینہ تنخواہ مقرر ہو گئی۔ اس زمانے کے اعتبار سے یہ بڑی تنخواہ تھی۔ مرزا دربار پہنچے تو کچھ شہزادے بھی ان کے شاگرد ہو گئے۔ مرزا کی پریشانیوں میں کچھ کمی ہو گئی۔ پھر بادشاہ کے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق مر گئے تو بہادر

شاہ نے مرزا کو شاعری میں اپنا استاد بنالیا۔ تنخواہ سو روپے ہو گئی۔

مرزا ہنسنے ہنسانے والے آدمی تھے۔ بادشاہ کو بھی ہنساتے تھے۔ درباریوں کو بھی۔ ایک دفعہ رمضان کے بعد دربار گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا تم نے کتنے روزے رکھے۔ مرزا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ پیرومرشد ایک نہیں رکھا۔ سب ہنس پڑے۔ اس طرح مرزا سب کو ہنساتے رہتے تھے۔ مگر ہنسنے ہنسانے کا یہ زمانہ بھی ختم ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں آزادی کی جنگ ہوئی۔ بہادر شاہ قید ہو گئے۔ دربار ختم ہو گیا۔ مرزا کی نوکری بھی ختم۔ جو پنشن ملتی تھی وہ بھی بند چھوٹے بھائی مرزا یوسف کو انگریزوں نے گولی مار دی بڑی مصیبت برداشت کی۔ گھر کا سارا سامان بیچ دیا۔ پھر رام پور کے نواب نے انہیں اپنا استاد بنایا۔ تنخواہ مقرر کر دی۔ پنشن بھی کھل گئی۔ مگر مرزا کا آخری زمانہ گزرا بڑی تکلیف میں۔ بہت بیمار رہے۔ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

مرزا بڑے ہمدرد اور دوستوں پر جان چھڑکنے والے۔ ہر ایک کے کام آنے والے انسان تھے۔ لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ جہاں کہیں غلطی نظر آتی اسے ظاہر کرتے۔ فارسی کی ایک پرانی لغت میں انہیں غلطیاں نظر آئیں تو انھوں نے یہ ساری غلطیاں ایک کتاب میں لکھ دیں۔ لوگوں نے اس وجہ سے ان پر بہت اعتراض بھی کئے مگر مرزا نے جو کچھ لکھا وہ صحیح تھا۔ مرزا نے اردو میں خط لکھنے کا ایسا انداز اختیار کیا جیسے آمنے سامنے باتیں ہو رہی ہوں۔ ایسے مزے دار خط، ان سے پہلے کسی نے نہ لکھے نہ ان کے بعد کوئی لکھ سکا۔ وہ اردو اور فارسی کے بڑے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زبردست خط لکھنے والے بھی سمجھے جاتے ہیں۔

ساری زندگی دکھوں، تکلیفوں اور پریشانیوں میں گھرا رہنے والا یہ شاعر بڑا زندہ دل انسان تھا۔ بچوں میں بچہ، جوانوں میں جوان اور بوڑھوں میں بھی ہنسنے ہنسانے والا جوان کوئی اولاد زندہ نہیں رہی۔ بیوی کے بھانجے کو بیٹا بنالیا تھا وہ بھی دو بچے چھوڑ کر سدھار گیا۔ مرزا نے ان دونوں بچوں کی پرورش کی بڑی محبت، بڑے لاڈ پیار سے رکھا۔ دونوں بچے اکثر انہیں تنگ کرتے تھے مگر وہ ہنستے ہی رہتے تھے۔ ان کے لئے نظم میں ایک چھوٹی سی لغت قادر نامہ لکھی تھی فارسی، عربی الفاظ کے اردو معنی۔ کچھ شعر یہ ہیں:

غرب پچھم اور پورب شرق ہے
ابر بدلی اور بجلی برق ہے
آگ کا آتش اور آذر نام ہے
اور انگارے کا اخگر نام ہے
تیغ کی ہندی اگر تلوار ہے
فارسی پگڑی کی بھی دستار ہے
نیولا راسو ہے اور طاؤس مور
کبک کو ہندی میں کہتے ہیں چکور

ہیں نا مزے کے شعر ــــــ مگر مرزا کے اور شعر شعر نہیں قیامت ہیں قیامت۔

فیصل مسعود

دوستی ایسا ناتا

شیر اور بکری جس طرح ایک گھاٹ پر پانی نہیں پی سکتے اسی طرح لومڑی اور مرغ ایک پلیٹ میں کھانا نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ خود مرغیاں لومڑیوں کی لذیذ غذا ہیں۔ پھر بھی دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں۔ ایک خاتون مادام درووانے اس لومڑی اور مرغ کو بچپن ہی سے ایک ساتھ رکھا اور دونوں کے درمیان ایسی دوستی کرادی کہ اب دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا۔ ہم انسانوں کو اس امن پسند لومڑی اور بھولے بھالے مرغ سے بہت کچھ سیکھنا چاہیے۔

اونچا پورا تگڑا کتا
اونا پونا سا اک پونی
دونوں دوست ہیں ایک دوجے کے
کیسی بات ہوئی ان ہونی

اداکار بھوت

نعیم بلوچ

آبادی سے دور ایک دلدلی جنگلی علاقے میں ٹی وی کے لیے ایک ڈراؤنی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ اس میں، مجھے ممی (Mummy) یعنی حنوط شدہ لاش کا کردار ادا کرنا تھا۔ ایسی ممی جو حیرت انگیز طور پر بھوت بن جاتی ہے اور بڑی تباہی مچانے کے بعد ہیرو کے ساتھ لڑتے ہوئے دلدل میں دھنس کر مر جاتی ہے۔ فلم کی ساری شوٹنگ مکمل ہو چکی تھی بس آخری شارٹ، جس میں مجھے دلدل میں ڈوبنا تھا، باقی رہ گیا تھا اور عین اس وقت ہدایت کار نے لنچ کے وقفے کا اعلان کر دیا۔ مجھے سخت تاؤ آیا۔ وقت کی پابندی بڑی اچھی بات ہے، مگر اتنی بھی نہیں کہ یہ پابندی کسی پر عذاب بن جائے۔ میرا پورا جسم عجیب قسم کے کپڑوں سے لپٹا ہوا تھا۔ نہ ڈھنگ سے چل سکتا تھا اور نہ بول سکتا تھا، منہ پر اس قدر بھیانک میک اپ تھا کہ عام آدمی دیکھے تو بغیر چیخ مارے ہی ڈر کر بے ہوش ہو جائے۔

ہاتھوں کے ناخن خوفناک حد تک بڑھے ہوئے کہ میں منہ میں کوئی چیز بھی نہیں ڈال سکتا تھا کہ لنچ کا وقفہ آخری سین کے بعد کر لیا جاتا اور میں اس تکلیف دہ میک اپ سے نجات پاکر سہولت سے کھانا کھالیتا۔ لیکن ہمارے پروڈیوسر صاحب کو تو وقت کی پابندی کا بخار چڑھا ہوا تھا۔ میرا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر وہ مجھے اپنے خیمے میں لے گیا اور اپنے ہاتھ سے کوکا کولا کاٹن کھول کر دیا اور میں بڑی مشکل سے پائپ کے ذریعے اسے حلق میں انڈیلنے لگا۔

وہ خود بر گر کھا رہا تھا۔ اچانک بولا۔ "مسٹر بروک! مجھے تمہاری تکلیف کا احساس ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ تم اس میک اپ میں مزید رہو۔ اس لئے ایک کام کرو۔"

"وہ کیا؟" میں نے بڑی مشکل سے گھٹے گھٹے الفاظ میں پوچھا۔

"وہ یہ کہ ہماری اس گاڑی میں پٹرول کم ہے، جس کے ذریعے تمہیں دلدل میں لٹکانا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تم اس دوران اس میں پٹرول ڈلوالاؤ۔ پٹرول پمپ یہاں سے دس منٹ کی ڈرائیو پر تو ہے۔"

"مسٹر ڈیرم! میں اسی لئے تمہارے یونٹ کے ساتھ کام کرنے سے ہچکچاتا ہوں۔ اب خود ہی سوچو، یہ کون سا وقت ہے پٹرول ڈلوانے کا! ایسے کام تو تمہیں پہلے ہی مکمل کروانے چاہیں....."

مجھے اس کی یہ بات سن کر سخت تاؤ آیا تھا۔

"ناراض کیوں ہوتے ہو بروک! تمہیں معلوم تو ہے کہ اچانک بارشوں کی وجہ سے ہمیں کس قدر دقت ہوئی ہے اور اسی وجہ سے پٹرول بھی زیادہ استعمال ہوگیا ہے۔ اور مجھے ڈرائیور سے پٹرول منگوانے پر اعتراض بھی نہیں، لیکن وہ تو لنچ کے بعد ہی جائے گا، اور اس طرح تمہیں مزید آدھا گھنٹا اس میک اپ میں رہنا پڑے گا۔ اسی لئے تو کہتا ہوں کہ خود تکلیف کر لو۔"

پروڈیوسر کی بات صحیح بھی تھی اور اس کا لہجہ اس قدر یتیموں کا سا تھا، کہ مجھے اس کی بات مان لینا پڑی۔ میں نے اس سے چابی مانگی اور گاڑی کی طرف چل پڑا۔

جونہی میں نے گاڑی اسٹارٹ کی ایک دفعہ پھر بارش شروع ہوگئی۔ مجھے اس بارش کی بھلا کیا پروا تھی، میرا میک اپ خراب ہونے والا نہیں تھا بلکہ بارش میں بھیگنے سے میری شکل مزید خوفناک ہوجاتی تھی، جس سے پروڈیوسر اور خوش ہوتا۔

میں نے گاڑی اچھی خاصی رفتار سے پٹرول پمپ کی طرف جانے والی سڑک کی طرف دوڑا دی۔ بارش میں مزید تیزی آگئی تھی۔ اور اب تو ساتھ ہوا بھی بڑے زور کی چلنے لگی تھی۔ مگر میں نے رفتار آہستہ نہ کی۔ پانچ منٹ کے بعد سڑک دو شاخہ ہوگئی تھی۔ ایک سڑک قریبی قصبے کی طرف جاتی تھی اور دوسری پٹرول پمپ سے گزرتی ہوئی کسی دوسرے شہر۔ میں نے پٹرول پمپ والی سڑک کا تعین کرنے کے لئے جب سڑک کے کنارے

لگے بورڈ کی طرف دیکھا تو اوسان خطا ہو گئے۔ بورڈ کسی لٹو کی طرح گھوم رہا تھا۔ وہ کبھی دائیں طرف گھومتا تو کبھی بائیں طرف۔ میں سوچنے لگا کہ اگر غلط سمت کی طرف مڑ گیا تو معلوم نہیں مجھے کتنی دیر بھٹکنا پڑے۔ اس لئے میں نے یہیں رک کر کسی گاڑی کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ سڑک اس قدر بھی ویران نہ تھی کہ کوئی گاڑی بھی یہاں سے نہ گزرتی ہو۔ ارد گرد کی بستیوں سے چار پانچ منٹ کے بعد کسی نہ کسی گاڑی کے گزرنے کی امید تو تھی ہی۔ میں نے سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کی اور انتظار کرنے لگا۔

بارش کی شدت میں کمی آ گئی تھی، مگر ہوا بہت تیز ہو چکی تھی اور اس کا شور بھی خاصا زیادہ تھا۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد دور اندھیرے میں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ میں فوراً سڑک کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والی ایک لوڈر گاڑی تھی۔ غالباً کوئی کسان اپنے فارم سے واپس آ رہا تھا۔ اس کی پھٹیچر گاڑی کا بے ہنگم شور اور پھر لہک لہک کر اونچی آواز میں انتہائی بے سرا راگ، لگتا تھا کہ بھوتوں کا مشاعرہ ہو رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے گاڑی آہستہ کی اور قریب آ کر رک گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ میری شکل پر غور کرتا، میں نے سوال داغ دیا: "جناب، پٹرول پمپ کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے؟"

اس نے بدستور گاتے ہوئے میری طرف پہلی مرتبہ غور سے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے اس کا گانا عجیب سی سیٹی میں بدل گیا اور پھر وہ زور دار چیخ مارتا ہوا گاڑی کو اندھا دھند بھگا لے گیا۔

آخر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ وہ مجھ سے ڈر گیا تھا، اس کے بھاگنے کے انداز میں اس قدر بد حواسی تھی کہ میری ہنسی چھوٹ گئی، مگر بُرا ہو میرے تکلیف دہ میک اپ کا۔ میں تو کھل کر ہنس بھی نہیں سکتا تھا۔ میں ابھی اپنے میک اپ کو برا بھلا ہی کہہ رہا تھا کہ ایک اور گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ قریب آنے پر میں نے اسے بھی روکا۔ یہ ایک موٹر کار تھی اس میں ایک سے زیادہ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ کار رکی تو میں نے دور ہی سے بلند آواز سے پٹرول پمپ جانے والی سڑک کے بارے میں پوچھا۔

"دائیں طرف والی سڑک!" ایک موٹے سے شخص نے اشارہ کرتے ہوئے کہا میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی گاڑی کی طرف لپکا۔ گاڑی ابھی اسٹارٹ ہی ہوئی تھی کہ ان کی کار میرے قریب آ کر رکی۔ ایک شخص نے کھڑکی سے سر نکال کر میری طرف غور سے دیکھا۔ شاید وہ کوئی بات کہنا چاہتا تھا، مگر میری صورت دیکھتے ہی زور سے چیخا: "یہ وہی لگتا ہے۔ پکڑ لو ...... جانے نہ پائے۔"

اس کے ساتھ ہی ان کی گاڑی حرکت میں آئی۔ انہوں نے میری گاڑی کا راستہ روک لیا۔ اس اچانک مصیبت کے لئے میں بالکل تیار نہیں تھا۔ اگلے ہی لمحے گاڑی سے دو آدمی اترے۔

ایک کے ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے نے شاٹ گن پکڑ رکھی تھی۔ میں نے بھاگنے کا ارادہ کیا، مگر ابھی دو چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ "ٹھائیں" کی آواز آئی۔ گولی میرے پاؤں سے چند انچ ہی ادھر لگی تھی۔ میں رک گیا۔ بڑے غصے سے ان کی طرف مڑا اور چیخ کر کہا: "بے وقوفو! اگر میں بھوت ہوتا تو تم سے کبھی نہ ڈرتا، مگر میں انسان ہوں ...... صرف میک اپ......"

مگر شاٹ گن والے نے میری بات کاٹی اور بولا: "ہمیں سب کچھ معلوم ہے...... تم ہی وہ مُردے ہو جو بھوت بن کر فرار ہو گئے ہو...... ہمیں تمہارا حلیہ بتا دیا گیا ہے...... "پادری نے کہا تھا کہ اسے صلیب دینا ہوگی، تبھی اس کی روح قید ہوگی، ورنہ یہ پھر زندہ ہو جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ چاروں، قدم پھونک پھونک کر میری طرف بڑھنے لگے۔ میں واقعی کسی بہت ہی خوفناک اتفاق کا شکار ہو چکا تھا۔ میں چیخ چیخ کر انہیں اپنی اصلیت بتانے لگا، لیکن خوف اور میک اپ کی وجہ سے میرے منہ سے الفاظ بھی ٹھیک طرح سے نہیں نکل رہے تھے۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر رسیوں سے باندھا، بڑی بے رحمی سے گاڑی کی ڈگی میں پیک کر دیا اور گاڑی کسی انجانی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئی۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد گاڑی رکی اور مجھے کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ شاٹ گن اور ریوالور بدستور میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایک خستہ حال چرچ تھا۔ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے ایک چبوترے کی طرف لے گئے۔ جس میں نصب صلیب کو دیکھ کر میرے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ چبوترے پر پہنچتے ہی ایک الجھے بالوں والا پاگل سا پادری کسی جن کی طرح معلوم نہیں کہاں سے آٹپکا اور مجھے دیکھتے ہی بولا: "بالکل...... یہی ہے وہ مردود جو بھاگ نکلا تھا۔ کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اسے صلیب پر لٹکا دو۔"

میں نے ایک بار پھر انہیں خبردار کیا کہ وہ کسی بھوت کو نہیں بلکہ ایک جیتے جاگتے انسان کو قتل کرنے لگے ہیں، مگر ان کے سر پر تو خون سوار تھا۔ وہ مجھے جلد از جلد پھانسی دینا چاہتے تھے۔ دو آدمیوں نے مجھے بازوؤں سے اور دو نے ٹانگوں سے پکڑ کر چبوترے پر چڑھایا۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے خوب ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، لیکن وہ مجھ سے بہت زیادہ طاقتور تھے۔ مجھے اپنا انجام اب بہت قریب نظر آنے لگا تھا۔

وہ مجھے صلیب کی لکڑی پر لٹکانے میں مصروف تھے کہ گولی چلنے کی آواز آئی۔ مجھے چھوڑ کر وہ آواز کی سمت دیکھنے لگے۔ اندھیرے میں ایک گھڑ سوار سایہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا نظر آیا۔ گولی اسی نے چلائی تھی۔ اس نے پے در پے دو مزید فائر کئے۔ اس کا نشانہ مجھے باندھنے والے تھے۔ وہ سب "بھوت کا ساتھی آگیا" کہتے ہوئے بھاگ گئے۔

آنے والے اجنبی نے چبوترے سے ذراہٹ

کر اپنا گھوڑا باندھا اور پھر محتاط انداز سے قدم اٹھاتا میرے قریب آیا۔ مجھے غور سے دیکھنے کے بعد اس نے چبوترے کے تین چکر لگائے۔ اس دوران نہ جانے وہ کیا کیا منتر پڑھتا رہا۔ پھر وہ چبوترے پر چڑھا اور مجھ پر تین دفعہ پھونک ماری۔ میں خاموشی کا بت بنا اسے یہ سب کچھ کرتے دیکھتا رہا۔ اس کی اب تک کی حرکتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ بھی مجھے کوئی بھوت ہی سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی واضح تھا کہ میں اگر اسے اپنی اصل حقیقت بتانا چاہوں بھی تو وہ کبھی نہیں مانے گا۔ وہ اب اپنے گھوڑے کی طرف جا رہا تھا۔ مجھے باندھنے والے ٹھیک طرح سے باندھ نہیں پائے تھے۔ میں نے تھوڑی سی جدوجہد سے اپنے آپ کو رسیوں سے آزاد کرا لیا، لیکن ہاتھ اسی طرح ستون پر ٹکائے رکھے جیسے کہ وہ بندھے ہوں۔ وہ آدمی اب اپنے گھوڑے تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنے سامان سے ایک بھاری تلوار نکالی۔ یقیناً یہ تلوار بہت پرانی ہوگی۔ اس نے تلوار کو ہوا میں لہرایا اور مجھ سے مخاطب ہوا.

"اگر تم نے مجھے ڈالی کاگی کا راز نہ بتایا تو میں تمہیں مقدس باپ کی اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" وہ خوفناک طریقے سے میری طرف بڑھا۔ قریب آکر اس نے تلوار دونوں ہاتھوں میں بلند کی اور پھنکارتے ہوئے بولا. "بتاؤ ڈالی کاگی کا خزانہ کہاں ہے؟"

ابھی اس نے الفاظ منہ سے پوری طرح نہیں نکالے تھے کہ میں نے پوری قوت سے اسے دھکا دیا۔ ساتھ ہی اس زور سے چیخ ماری کہ مجھے خود یقین نہ آیا کہ میں اس قدر اونچی آواز میں بھی بول سکتا ہوں۔ اجنبی تلوار سمیت چبوترے سے لڑھک کر نیچے گر پڑا اور میں گھوڑے کی طرف لپکا۔ اچھل کر اس پر بیٹھا اور ایڑ لگا دی۔ میرا رخ اسی طرف تھا جہاں میری گاڑی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ شخص ابھی بھی وہیں پڑا تھا۔ شاید خوف سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

اگلے چند منٹوں کے بعد میں اپنی گاڑی کے پاس پہنچ گیا۔ چابی گاڑی کے اگنیشن پر لگی ہوئی چھوڑ گیا تھا، لیکن گاڑی محفوظ رہی۔ خیر...... میں نے چابی گھمائی، گاڑی اسٹارٹ کی اور اگلے دس منٹ میں پٹرول پمپ میرے سامنے تھا۔ میں نے نظریں دوڑائیں کہ کوئی پمپ میں موجود تو نہیں۔ دراصل میں کوئی نئی مصیبت مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی۔ فلم یونٹ مجھے غائب پا کر سخت پریشان ہو رہا ہوگا اور یقیناً کچھ لوگ میری تلاش میں بھی نکل چکے ہوں گے۔ فیول اسٹیشن پر جب مجھے کوئی بھی نظر نہ آیا تو میں نے جلدی سے پمپ میں پیسے ڈالے اور پٹرول گاڑی میں بھرا۔ ابھی تک معاملات بالکل ٹھیک جا رہے تھے۔ میں نے اطمینان سے گنگنانا شروع کر دیا۔ گاڑی میں بیٹھا، اسے اسٹارٹ کیا، واپس موڑا، لیکن گاڑی سیدھی کر کے جیسے ہی میں نے پہلا گیئر لگایا، تیز روشنی نے میری آنکھوں کو چندھیا دیا۔

"یاھو...... ہاہاہا...... پکڑ لیا۔ ہاہاہا......"

ایک دفعہ پھر وہی لوگ میرے سامنے کھڑے تھے جو

مجھے کوئی بدروح سمجھ کر صلیب پر لٹکانے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ وہی کار، وہی بندوق، وہی کرخت چہرے، مگر اس بار ایک بوڑھی عورت بھی ان کے ساتھ تھی۔ عورت نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ بڑے غور سے میری طرف دیکھنے لگی۔ اتنے میں ایک آدمی نے مجھے للکارا۔

"اے بدبخت روح...... باہر آجا۔ ورنہ تمہیں یہیں گولی مار دیں گے۔"

بندوق والے نے اپنی بندوق میری طرف سیدھی کی اور گرجا۔ "اور جانتے ہو، یہاں کیسے مرو گے؟...... جل کر!! میری بندوق سے نکلنے والی ایک ہی گولی سے تمہاری گاڑی کی پٹرول سے بھری ٹینکی بھک سے اڑ جائے گی اور تم اسی دنیا میں جہنم کی آگ میں جل مرو گے...... ہاہاہا۔" میں دیکھ رہا تھا کہ واقعی بندوق کی لبلبی پر اس کی انگلی کا بوجھ بڑھ رہا تھا۔

"ٹھہرو......" میں حلق کے بل چیخا۔ بوڑھی عورت نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بندوق چلانے سے روک دیا۔ میں جلدی سے گاڑی سے باہر آیا۔ ہاتھ اوپر اٹھائے، بے پروائی سے بولا۔ "تم لوگ کسی شدید قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ میں وہ ہرگز نہیں ہوں جو تم سمجھ بیٹھے ہو...... لیکن اگر تم مجھے مارنا ہی چاہتے ہو تو یہاں نہ مارو۔ یہ پٹرول پمپ ہے، آگ پھیل گئی تو بہت برا ہوگا......"

میری بات بندوق والے کے بے رحم قہقہے میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس نے اپنی بندوق دوبارہ میری طرف سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تمہاری جیسی بدروح آگ میں مرنے سے ڈرتی ہے...... کیونکہ اس طرح تمہیں پھر زندہ ہونے کا موقع نہیں مل سکے گا...... تیار ہو جاؤ......"

اس نے مزید کوئی وقت ضائع کئے بغیر فائر کر دیا۔

مجھے یقین نہ آیا کہ اس قدر مصیبتوں کے بعد اچانک تقدیر مجھ پر مہربان کیوں ہو گئی تھی۔ بوڑھی عورت نے عین وقت پر ہاتھ سے بندوق کا رخ آسمان کی طرف کر دیا تھا۔ گولی ہوا کو چیرتی ہوئی اوپر نکل گئی۔ چند لمحوں بعد جب بندوق کی دہشت ناک آواز کی گونج ختم ہوئی تو وہ بڑھیا ٹھہری ہوئی آواز میں مجھ سے مخاطب ہوئی:

"تم یقیناً کوئی اچھی روح ہو...... مجھے معلوم ہے کہ تم نے ان لوگوں سے سب سے پہلے پٹرول پمپ کے متعلق ہی پوچھا تھا...... اور تم واقعی پٹرول پمپ کی طرف آئے...... ہم تمہارا پیچھا کر رہے تھے...... پھر تم نے آگ پھیلنے کی بات کر کے میرے خیال کو درست ثابت کر دیا کہ تم کوئی خبیث روح نہیں بلکہ نیک روح ہو...... سچ بولتے ہو اور انسانوں کو تباہی سے بچانے کا جذبہ رکھتے ہو، جاؤ، ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں، لیکن اپنا حلیہ ضرور درست کرو...... کیونکہ یہ حلیہ کسی خبیث روح ہی کا ہو سکتا ہے...... اچھی اور نیک روح کا نہیں۔"

جونہی اس کی لمبی تقریر ختم ہوئی، میں نے "شکریہ" کہہ کر سر کو احترام سے جھکایا اور فوراً

قائد اعظمؒ اور تلوار

قائد اعظمؒ ۱۹۴۳ء میں کوئٹہ تشریف لے گئے تو ان کی خدمت میں احمد شاہ ابدالی کی تاریخی تلوار پیش کی گئی اس تلوار کے ایک طرف کلمہ طیبہ اور دوسری طرف "نصر من اللہ و فتح قریب" کندہ تھا۔ قائد اعظمؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ یہ تلوار ظلم کے لئے نہیں بلکہ ظلم کے خاتمہ کے لئے میان سے باہر نکلے گی۔ آپ لوگ اگر تلوار کی عظمت اور اس کے استعمال سے بہ خوبی واقف ہیں تو پھر میں آپ سے یہ ہی کہوں گا کہ اپنی تلوار صرف عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے رکھئے۔

مرسلہ ...... اسما بدر، کراچی

گاڑی میں بیٹھ کر اسے پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔

شکر خدا کا کہ راستے میں کوئی نئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ جب میں شوٹنگ والی جگہ پر پہنچا تو مجھے وہاں سے نکلے پورا گھنٹا ہو چکا تھا۔ میں یہاں تک خیریت سے پہنچ چکا تھا، مگر اس وقت جو منظر میرے سامنے تھا وہ دیکھ کر تو میرا خون ہی کھول اٹھا ...... جس مقصد کے خاطر میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا تھا، وہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ کرین کے ذریعے ایک بھوت نما انسان کو اس دلدل سے باہر نکالا جا رہا تھا جہاں آخری سین میں اسے ڈوب کر ہلاک ہونا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے آخری سین میرے بغیر ہی مکمل کر لیا اور میں نے جو بھاگ دوڑ کی ...... اپنی زندگی خطرے میں ڈالی ...... یہاں تک کہ موت کے منہ میں کئی بار گیا اور کئی بار بچ نکلا...... سب بے معنی تھا، لیکن اس کے بعد جو سوال میرے ذہن میں پیدا ہوا، اس نے تو خوف سے میری سٹی گم کر دی۔ سوال یہ تھا کہ بھوت کا کردار کرنے والا یہ شخص کون تھا ......؟ میرے ذہن میں ایک ہی جواب تھا۔ دراصل یہی وہ اصل بھوت ہے جس کو وہ لوگ تلاش کرتے پھر رہے تھے اور جنہوں نے غلطی سے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی شکل ہو بہو مجھ سے ملتی تھی۔ واقعی ان لوگوں کی غلط فہمی بجا تھی، مگر اگلا منظر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھا۔ وہ بھوت جونہی دلدل سے نکل کر محفوظ مقام پر آیا، فلم یونٹ کے تمام لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اور اس نانجار بھوت نے اپنا "میک اپ" اتارنا شروع کر دیا......

میں حیرت سے قدم اٹھاتا ان کے پاس پہنچا اور پھر صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور میں نے چیخ کر پروڈیوسر کو مخاطب کیا:

"مسٹر ڈیرم ......"

"اوہ! یہ تم ہو مسٹر بروک! کہاں چلے گئے تھے تم ...... ہم نے تمہارا بہت انتظار کیا...... اور وہ پٹرول کا کین تو ہم بھول ہی گئے تھے جسے مسٹر بوم نے محفوظ کر لیا تھا...... اور ہم نے ریزرو اداکار مسٹر روجر گین سے آخری شاٹ بھی مکمل کر لیا...... لیکن تم ناراض نہ ہو...... ہم تمہیں مکمل معاوضہ دیں گے ...... اور پٹرول لانے میں جو وقت صرف ہوا، اس کا اوور ٹائم بھی! کہو اب تو خوش ہونا؟؟ اور میں سوائے کندھے اچکانے کے کچھ نہ کر سکا۔

(ماخوذ)

کبھی اپنے ماموں کراچی جو آئیں

محمد عقیل صابر

کبھی اپنے ماموں کراچی جو آئیں — تو ہم شادیانے خوشی کے بجائیں
اگر گرمیاں ہوں تو دیں روح افزا — ہو سردی کا موسم تو کافی پلائیں
فرید اور فرخ کریں ان کی دعوت — قلاقند، لڈو، امرتی کھلائیں
کرائیں انہیں شہر کی سیر اپنے — کلفٹن، منوڑا، کیماڑی دکھائیں
سمندر سے مچھلی پکڑ کر تلیں سب — انہیں ذائقہ مچھلیوں کا چکھائیں
کرائیں انہیں سیر رکشا و بس میں — کبھی ان کو پیدل "صدر" لے کے جائیں
کریں اچھے کھانوں سے ان کی تواضع — بُھنا گوشت، زردہ، مُتنجن کھلائیں
رکھیں ان کے کمرے کو ہم صاف سُتھرا — مسہری پہ اچھی سی چادر بچھائیں
وہ سونے لگیں جب تو سونے سے پہلے — انہیں اپنے اشعار پڑھ کر سنائیں
کبھی مُوڈ بگڑے، کسی بات پر گر — لطیفے سنا کر انہیں ہم ہنسائیں
جو گھبرائے دل، اپنا گھر یاد آئے — تو ٹی وی پہ کوجک کی پکچر دکھائیں
میاں ٹیپو، عظمٰی بھی سکھر سے آئیں — ملیں ان سے اور ساتھ تحفے بھی لائیں
عقیل اپنے ماموں ہوں جس وقت رخصت — ایر پورٹ سے ان کو رخصت کرائیں

نہ آئیں گے دنیا میں وہ چندا ماموں
یونہی اپنے دل کو میں بہلا رہا ہوں

ننھا موجد

عامر اعجاز

ٹام ایک ذہین بچہ تھا۔ وہ ہر چیز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ یہ کیسے بنی ہے؟ وہ ہر چیز کو غور سے دیکھتا تھا اور معلوم کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ یہ کیسے بنی ہے۔ اس کی ماں نے اسے بتایا تھا کہ پانی دو قسم کی گیسوں سے مل کر بنا ہے۔ ٹام ایک گلاس میں پانی لے کر اسے دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ٹام اس وقت صرف دس سال کا تھا اور اس کے پاس کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں جن کو وہ آہستہ آہستہ پڑھ سکتا تھا۔ انہی کتابوں میں سے ایک کتاب میں اس نے ایک "لیبارٹری" کے بارے میں پڑھا اسے پتا چلا کہ لیبارٹری ایک ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں تجربات کئے جاتے ہیں اور مختلف محلولوں کو ملا کر چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

جیسے ہی چھوٹے ٹام نے اس کتاب میں لیبارٹری کے بارے میں پڑھا تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مجھے بھی ایک چھوٹی سی لیبارٹری

بنانی چاہئے لیکن وہ بہت چھوٹا تھا اور اکیلا بھی۔ اس کو کسی مدد گار کی ضرورت تھی۔

آخر اس نے مائیکل کو ساتھی بنانے کا سوچا۔ مائیکل اس سے تین سال بڑا تھا۔ مائیکل ایک غریب لڑکا تھا جو اسکول جانے سے پہلے اور بعد میں چھوٹی چھوٹی نوکریاں کرتا تھا وہ اس کے باپ کے پاس کام کرتا تھا۔

اس نے مائیکل سے اس بارے میں بات کی تو اس نے وعدہ کیا کہ وہ اس کی مدد کرے گا۔

اب مسئلہ ٹام کی لیبارٹری کے لئے جگہ کا تھا۔ اور وہ بھی جلد ہی حل ہو گیا۔ اس طرح کہ ٹام کے گھر میں نیچے ایک بڑا تہہ خانہ تھا اور اس تہہ خانے کے ایک کونے میں ایک پرانی میز رکھی تھی۔ اس کے اوپر دو شلف بنے ہوئے تھے۔ ٹام کے ابو نے اسے اجازت دے دی کہ وہ وہاں اپنی لیبارٹری بنا سکتا ہے۔

ایک دن مائیکل اور ٹام پورے قصبے کا چکر لگانے گئے تاکہ وہ بوتلیں حاصل کر سکیں۔ جس میں وہ مختلف اشیا رکھ سکیں۔ انہیں مختلف بوتلیں ملیں۔ کچھ چھوٹی تھیں، کچھ بڑی۔ کوئی نیلی تھی کوئی پیلی، کوئی سبز تھی تو کوئی سرخ۔ اس طرح ٹام اور مائیکل کو کل تیس بوتلیں ملیں۔

جب وہ گھر آئے تو انہوں نے بوتلوں کو اچھی طرح صاف کیا۔ پھر ٹام سفید کاغذ لے کر آیا اور تیس مربع شکل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے۔ پھر اس نے ایک پنسل سے ان سب پر ایک کھوپڑی بنا دی۔ اور اس کے نیچے دو ترچھی ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہر کاغذ پر لفظ POISON (زہر) لکھ دیا۔

پھر ٹام اور مائیکل کچن میں گئے۔ انہوں نے تھوڑا سا آٹا لیا۔ اسے ایک برتن میں ڈالا اور کچھ پانی ڈال کر اسے ہلایا۔ پھر وہ چولہے کی طرف گئے وہاں ٹام کی امی نے پکنے کے لئے آلو اوپر رکھے ہوئے تھے۔ لیکن ٹام نے اپنے کام کو ضروری سمجھا اور آلو والے برتن کو نیچے اتار لیا اور اپنا برتن چولہے کے اوپر رکھ دیا۔ اور اس کو ہلانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد لئی بن گئی اور وہ اس کو اپنی لیبارٹری میں لے گئے۔

ٹام نے ہر کاغذ کی پشت پر لئی لگائی اور سارے کاغذ بوتلوں پر چپکا دیئے اور ان سب بوتلوں کو شیلف پر قطاروں میں رکھ دیا۔ اب سب بوتلیں بہت خوبصورت نظر آرہی تھیں۔ ٹام نے مائیکل سے کہا: "آؤ اب باہر چلیں اور ان بوتلوں میں رکھنے کے لئے کچھ ڈھونڈیں۔"

صحن میں سے انہیں مرغیوں کے پر ملے۔ پھر وہ گودام میں گئے۔ وہاں سے انہیں اناج کی بالیاں ملیں۔ پھر انہوں نے باورچی خانے سے نمک اور چینی لی۔ ٹام نے الماری میں سے روئی نکالی اور ان سب چیزوں کو لے جاکر بوتلوں میں ٹھونس دیا۔ اس وقت تک وہ یہی کر سکتے تھے جب تک کہ وہ حقیقی محلول نہ خریدلیں۔

یہ ٹام کی تجربہ گاہ کا آغاز تھا۔ لیکن وہ اپنی

تجربہ گاہ سے مطمئن نہ تھا۔ وہ حقیقی کیمیکل حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ٹام کے ابو نے دونوں لڑکوں کو باغ کا کچھ حصہ دے دیا تاکہ وہ اس میں سبزیاں کاشت کر سکیں۔ انہوں نے اپنی سبزیاں اگائیں اور قصبے کے لوگوں کے ہاتھوں بیچ دیں۔ ایک دن وہ آخری کاشت کی ہوئی سبزیاں بھی قصبے میں لے گئے۔ ٹام نے مائیکل سے کہا کہ "میں مسٹر اسٹیفن کی دکان پر جارہا ہوں۔ میں کچھ پارہ خریدنا چاہتا ہوں۔" "پارہ کیا ہوتا ہے؟" مائیکل نے پوچھا

ٹام نے جواب دیا "پارہ چاندی کی طرح ہوتا ہے۔ اگر تم اس کا ایک قطرہ میز پر گراؤ تو یہ ایک چاندی کی گیند کی طرح لڑھکے گا۔"

"تم اس کا کیا کرو گے، ٹام؟"

ٹام نے کہا: "میں ایک تھرما میٹر بنانا چاہتا ہوں۔" دونوں لڑکے دکان میں گئے اور پارہ لے کر آ گئے۔ ٹام کو مسٹر اسٹیفن کی دکان پر جانا پسند تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس کی دکان میں لاکھوں بوتلیں ہیں اور ہر بوتل میں مختلف قسم کے محلول ہیں۔ ٹام ہر ہفتے اپنی رقم جمع کرتا رہا۔ ہر ہفتے وہ اپنی لیبارٹری کے لئے کوئی چیز لے آتا۔ آخر ایک دن اس کی سب بوتلیں بھر گئیں۔

مسٹر اسٹیفن نے ٹام کو سکھا دیا تھا کہ ان کیمیکلوں کے نام کیسے لکھے جاتے ہیں۔ اس لئے اس نے بوتلوں پر سے پہلے والے کاغذ اتار دیئے اور محلولوں کے مطابق ان کے نئے نام بوتلوں پر چسپاں کر دیئے۔

ایک دن مائیکل اور ٹام مسٹر اسٹیفن کے اسٹور پر گئے۔ "ہیلو! مسٹر اسٹیفن" ٹام نے کہا۔

"ہیلو ٹام!" مسٹر اسٹیفن نے جواب دیا۔ اور پوچھا کہ آج وہ کیا خریدنا چاہتا ہے؟ ٹام نے کہا۔ "میں کچھ پارہ خریدنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن وہ بہت مہنگا ہے!" اسٹیفن نے کہا۔ "میرے پاس ۱۰۰ ڈالر ہیں۔" ٹام نے کہا۔

"اوہ! تم نے اتنی بڑی رقم کہاں سے لی ہے؟" اسٹیفن چلایا۔ "میں نے اور مائیکل نے باغ میں سبزیاں کاشت کیں اور انہیں بیچ کر رقم جمع کرلی۔" ٹام نے جواب دیا۔

مسٹر اسٹیفن نے کہا: "تم بہت اچھے بچے ہو۔"

پھر انہوں نے بچوں کو پارے کی بوتل لاکر دی۔

"ٹام! یہ آپ کا پارہ ہے۔ اس کی قیمت ۲۰ ڈالر ہے۔"

ٹام نے پیسے ادا کئے اور بوتل لے لی۔ وہ اور مائیکل گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گھر کی طرف چل پڑے۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے ٹام کے ذہن میں ایک منصوبہ آیا۔

اس نے مائیکل سے کہا: "میں حیران ہوں کہ پرندے کس طرح پرواز کرتے ہیں؟"

"اگر ہمارے پر ہوں تو ہم بھی اڑ سکتے ہیں۔" مائیکل نے جواب دیا۔

ٹام نے کہا: "اڑنے کے اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں۔ میرے پاس سڈلٹ پاؤڈر کی بوتلیں ہیں۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟" مائیکل نے پوچھا۔

ٹام نے جواب دیا: "اگر ہم نیلے رنگ کے پاؤڈر کو سفید رنگ کے پاؤڈر کے ساتھ پانی میں ملا دیں تو ایک گیس بنتی ہے۔ یہ گیس ہوا سے ہلکی ہے۔ اگر تم......"

"نہیں نہیں۔ میں کوئی محلول نہیں پیوں گا۔"

مائیکل نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

ٹام نے کہا: "میری پوری بات سنو۔ اگر تم اس محلول کو پی لو تو تمہارا معدہ اس گیس سے بھر جائے گا۔ اور تم ہوا میں پرواز کر جاؤ گے۔"

مائیکل نے پورے راستے کوئی بات نہ کی۔ ٹام نے اس کو محسوس نہ کیا کیونکہ وہ اپنے تجربے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

جب وہ گھر پہنچے تو ٹام تہہ خانے کی طرف بھاگا۔ اس نے مائیکل کو نیچے لیبارٹری میں آنے کو کہا۔

ٹام اپنی میز کی طرف گیا اور بوتلوں کی طرف بڑھا۔ اس نے سڈلٹ پاؤڈر کی بوتلیں لیں۔ اور دو گلاسوں میں تھوڑا تھوڑا پاؤڈر ڈالا۔ اس نے ان میں پانی ڈالا اور مائیکل کو پکارا۔ "جلدی کرو۔"

مائیکل آہستگی سے چلتا ہوا تجربہ گاہ میں آیا۔ وہ ناخوش نظر آتا تھا۔

"مائیکل! ہم اس تجربہ کے بعد مشہور ہو جائیں گے۔" ٹام نے کہا۔ "تم کو صرف یہ پینا ہو گا۔ آؤ اب باغ میں چلیں۔"

ٹام نے گلاس پکڑے اور باغ کی طرف دوڑا۔ مائیکل اس کے پیچھے آیا۔

ٹام نے ایک گلاس کا محلول دوسرے میں انڈیلا۔ اس میں فوراً جھاگ پیدا ہو گیا۔

"پیو! اسے جلدی پیو۔" ٹام چلاّیا۔

مائیکل نے جلدی جلدی ایک ہی گھونٹ میں محلول حلق میں انڈیل لیا۔ ٹام نے کہا: "مائیکل اب اپنے بازو ہلاؤ۔"

مائیکل کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے اپنے بازو ہلائے اور پھر اچانک اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔

ٹام چلایا: "تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟ کیا تم اڑ سکتے ہو؟" مائیکل نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اڑ تو نہ سکا البتہ بیمار پڑ گیا۔

ٹام سست روی سے واپس تجربہ گاہ میں آیا۔ ابھی اس نے سڈلٹ پاؤڈر کی بوتلیں شیلف پر رکھی ہی تھیں کہ اس نے اپنی امی کی آواز سنی۔ ٹام اوپر گیا۔

اس کی امی دروازے پر کھڑی تھیں۔

"تم نے مائیکل کو محلول کیوں پلوایا؟ تم جانتے ہو کہ وہ اڑ نہیں سکتا۔" انہوں نے غصے سے

پانچ منزلہ قبرستان

ٹوکیو (جاپان) میں مُردوں کو دفنانے کے لئے زمین کی سخت قلت ہے۔ لیکن پچھلے دنوں ایک پجاری نے لوگوں سے ایک پانچ منزلہ قبرستان بنوایا ہے۔ جس میں ہر منزل پر ایک وسیع ہال ہے۔ اور ہر ہال میں فرش کو قبر بنانے کے لئے کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان حصوں کی قیمت ان دنوں پانچ سے ۹ ہزار ڈالر ہے۔

مرسلہ:۔ محمد اختر سردار، گسوال۔

کہا۔

"لیکن اس سے گیس پیدا ہوتی ہے، جو ہوا سے ہلکی ہے۔ وہ اڑ سکتا تھا۔" ٹام نے کہا۔ وہ اب خوفزدہ ہو چکا تھا۔

"مائیکل بیمار ہے۔" اس کی امی نے کہا۔ اور تمہیں آج رات کھانے کے بغیر سونا ہو گا۔ یہ تمہاری سزا ہے ایک اور بات تمہیں اپنی لیبارٹری کی تمام بوتلیں پھینکنا ہوں گی۔"

"اوہ! امی جان، مہربانی کر کے ایسا نہ کریں۔ میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" ٹام نے درخواست کی۔ وہ رو پڑا۔ اس نے اپنی تمام رقم اس لیبارٹری پر صرف کی تھی۔ اور اب اسے سب تباہ ہوتا نظر آرہا تھا۔

ماں نے کہا: "ٹام! میں خوفزدہ ہوں کہ تم یہ دوبارہ کرو گے۔" لیکن پھر ماں نے کچھ دیر کے لئے سوچا کہ ٹام نے اس تجربہ گاہ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور ویسے بھی مائیکل زیادہ بیمار نہ تھا۔ شاید ٹام کو پتہ چل گیا ہے کہ اس طرح کے تجربات لوگوں پر نہیں کرنے چاہئیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر اس کی لیبارٹری کا کوئی نقصان نہیں۔

آخر کار ماں نے کہا "میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ تم اپنی تجربہ گاہ قائم رکھ سکتے ہو۔ لیکن اس پر تالا لگا دیا جائے گا اور کبھی کبھی تمہیں اندر جانے کی اجازت دی جائے گی۔ اور تمہیں وعدہ کرنا ہو گا۔ کہ آئندہ تم کبھی کسی انسان پر تجربہ نہیں کرو گے۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

"ہاں! امی جان۔" اور ٹام نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور اپنی پوری زندگی میں اس نے لیبارٹری اپنے ساتھ رکھی۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب اس کو ٹرین میں نوکری مل گئی اور اس نے ریل گاڑی کے اندر اپنی تجربہ گاہ بنالی اور اسی تجربہ گاہ میں ٹام ایڈیسن نے جس کو تھامس الوا ایڈیسن بھی کہا جاتا ہے، بہت سی ایجادات کیں، جن کو ہم روز مرہ استعمال میں لاتے ہیں۔

ان ایجادات میں برقی بلب، متحرک تصویریں اور فونو گراف جیسی اہم ایجادات ہیں۔ اور جب تھامس ایڈیسن نے وفات پائی تو اس کے اعزاز میں پورے امریکہ میں ایک منٹ کے لئے بجلی کی سپلائی روک دی گئی۔ اور پورے امریکہ کے بلب بجھ گئے۔

(کتاب SHARING ADVENTUR کے ایک مضمون سے ماخوذ)

ہنستے ہنستے

منتخب لطائف

ایک دن ایک انگریز نے ایک اسکاٹ سے پوچھا۔ "کیا تم جانتے ہو، گدھے اور اسکاٹ میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

"نہیں تو۔" اسکاٹ بولا۔

"فرق یہ ہے کہ گدھا کنجوس نہیں ہوتا اور اسکاٹ کنجوس ہوتا ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ انگریز اور گدھے میں کیا فرق ہوتا ہے؟" اسکاٹ نے جواباً پوچھا۔

"نہیں تو۔" انگریز نے کہا۔

"ہاں یہی تو میں بھی سوچتا ہوں کہ انگریز اور گدھے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔" اسکاٹ بولا۔

مرسلہ: جنید اختر، کراچی۔

...... ○ ...... ○ ......

کسی گاؤں میں دو دوست رہتے تھے۔ ایک بہت دُبلا اور ایک بہت موٹا۔ ایک بار گاؤں میں ایک بھیڑیا گھس آیا۔ سارے گاؤں میں بھگدڑ مچ گئی۔ موٹا اپنے دوست سے بولا۔ "آؤ ہم بھی بھاگ چلیں ...... کہیں بھیڑیا اٹھا کر نہ لے جائے۔"

دُبلا دوست بولا۔ "تم کیوں ڈرتے ہو...... وہ بھیڑیا ہے ...... کرین تو نہیں۔"

مرسلہ: عدیل احمد، کراچی۔

...... ○ ...... ○ ......

مالک اپنے ملازم کو سمجھا رہا تھا۔ "دیانت داری اور عقل مندی کامیاب تجارت کے لئے ضروری ہے۔

دیانت داری کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی سے وعدہ کرو تو اسے پورا کرو چاہے اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو۔"

ملازم: "اور عقل مندی کا کیا مطلب ہے؟"

مالک: "یہ کہ ایسا کوئی وعدہ ہی نہ کرو۔"

مرسلہ: ثناء اللہ چانڈیو، کراچی۔

..... ○ ..... ○ .....

استاد: "ضرغام تمہارا مضمون بہت اچھا ہے ..... مگر لفظ بہ لفظ انعام کے مضمون سے ملتا جلتا ہے ..... اس سے میں کیا نتیجہ اخذ کروں؟"

ضرغام: "یہی سر ..... کہ انعام کا مضمون بھی بہت اچھا ہے۔"

مرسلہ: نازش، لاہور

..... ○ ..... ○ .....

حادثے میں زخمی ہونے والا تانگہ بان اپنے دعوے کی پیروی کے لئے عدالت میں پیش ہوا تو وکیل صفائی نے پوچھا۔

"کیا تم نے حادثے کے فوراً بعد مدعاعلیہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں زخمی نہیں ہوں؟"

"تانگے والے نے جواب دیا۔ "جب حادثہ ہوا تو میں دور جا گرا۔ گھوڑے کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ مدعاعلیہ نے موٹر سے نکل کر گھوڑے کو دیکھا اور پھر ریوالور نکال کر اسے گولی مار دی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا ..... کیا تم بھی زخمی ہو؟"

مرسلہ: عمر احمد خان، نواب شاہ۔

..... ○ ..... ○ .....

سگریٹ نوشی کے ایک عادی شخص کو کسی نے مشورہ دیا کہ وہ یوگا کی مشق کرے۔ اس طرح سگریٹ نوشی ترک کرنے میں آسانی ہوگی۔ دس ماہ کی طویل اور صبر آزما مشقت کے بعد وہ شخص یوگا میں ماہر ہو گیا۔ کسی نے اس کی بیوی سے پوچھا۔

"کیا یوگا کی مشقوں سے کوئی فائدہ ہوا؟"

"جی ہاں۔" اس کی بیوی نے جواب دیا۔ "اب وہ سر کے بل کھڑے ہو کر بھی سگریٹ

پی سکتے ہیں۔"

مرسلہ: حارث بن صفیر، کراچی۔

...... ○ ...... ○ ......

دو لڑکے ایک بھاری بکس کھینچ رہے تھے۔ جب زور لگاتے ہوئے تھک گئے اور ہانپنے لگے تو ایک نے کہا۔

"چلو چھوڑو،ہم اسے باہر نہیں نکال سکیں گے؟"

"ارے ...... اسے باہر لے جانا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا اسے اندر لے جانا ہے۔"

مرسلہ: دانش اختر، کراچی۔

...... ○ ...... ○ ......

دو افیمیوں پر عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا۔ جج نے ایک افیمی سے پوچھا۔ "کہاں رہتے ہو؟"

"کہیں بھی نہیں۔" افیمی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

جج نے یہی سوال دوسرے افیمی سے کیا۔ وہ پہلے افیمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس کے پڑوس میں۔"

مرسلہ: نوید اختر، راولپنڈی۔

...... ○ ...... ○ ......

ایک ائیر پورٹ کے کنٹرول ٹاور کو یہ ریڈیائی پیغام ملا۔ "جہاز میں ایندھن ختم ہو گیا ہے۔ میں ساحل سے دو سو میل دور سمندر کے اوپر تین ہزار فٹ کی بلندی پر ہوں ہدایت کیجئے۔"

"کنٹرول ٹاور کی طرف سے جواب دیا گیا۔ "میرے ساتھ ساتھ دہرائیے ...... اے میرے رب ...... یہ گناہ گار بندہ تیری طرف لوٹ رہا ہے۔"

مرسلہ: محمد عاطف، کراچی۔

...... ○ ...... ○ ......

چوری کے الزام میں پکڑے جانے والے لڑکے کے والد سے مجسٹریٹ نے سوال کیا۔ "آپ اپنے بیٹے کو صحیح تربیت کیوں نہیں دیتے؟"

باپ نے کہا۔ "جناب میں اس کم بخت کو بہت کچھ سکھاتا ہوں، لیکن یہ ہر بار پکڑا جاتا ہے۔"

مرسلہ: رفیق شاہد، پاک پتن۔

...... ○ ...... ○ ......

سیکریٹری ایک رپورٹ تیار کر کے اپنے افسر کے پاس لے گئی۔ رپورٹ میں ٹائپنگ کی بہت سی

غلطیاں تھیں۔

افسر کا موڈ بہت خراب ہو گیا۔ اس نے سیکریٹری کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "مس...... میں نے تمہیں یہ ضرور کہا تھا کہ یہ رپورٹ خفیہ ہے۔ لیکن اتنی بھی نہیں تھی کہ آپ آنکھیں بند کر کے ٹائپ کرتیں۔"

مرسلہ: نعمان عطاء اللہ نوکھر، گوجرانوالہ۔

...... ○ ...... ○ ......

اکبرالہ آبادی سے ایک شخص نے آکر کہا کہ میں نے ایک جوتوں کی دکان کھولی ہے اس کے لئے آپ کوئی شعر عطا فرمائیے۔ اکبرالہ آبادی نے برجستہ یہ شعر کہا:

شو میکری کی کھولی ہے ہم نے دکان آج
روٹی کو ہم کمائیں گے جوتوں کے زور سے

مرسلہ: ذوالفقار علی ہزارہ، کوئٹہ

...... ○ ...... ○ ......

ایک شخص بازار میں اپنا پالتو کتا فروخت کر رہا تھا اور اونچی آواز میں اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔ یہ کتا بہت عقلمند ہے ہر بات کو بڑی جلدی سمجھ لیتا ہے، ڈاکخانہ میں خط پوسٹ کر آتا ہے، بازار سے سودا سلف لے آتا ہے، بچوں کو اسکول چھوڑنے اور لانے کا کام بھی کر سکتا ہے۔" مجمع میں سے ایک شخص نے پوچھا۔

"یہ اتنا ہی اچھا ہے تو پھر اسے فروخت کیوں کر رہے ہو؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "پچھلے دنوں ہمارے گھر چور گھس آئے تھے میں نے دیکھا یہ کتا لالٹین لے کر چوروں کو تمام قیمتی اشیاء کے ٹھکانے بتا رہا تھا۔"

مرسلہ: روبینہ ناز، مخدوم پور پہوڑاں۔

کیچپ تو صرف
AHMED'S
Tomato Ketchup
AHMED
Tomato Ketchup
احمد
ٹماٹو کیچپ

ORIENT

شیردل بولرز کی واپسی

ملاقات : سلیم خالق

پاکستانی کرکٹ کی تاریخ فاسٹ بولرز کے ناموں سے بھری پڑی ہے۔ ان میں سے چند ایک نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جن کی وجہ سے ان کا نام کرکٹ کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ایسے ہی ایک فاسٹ بولر عاقب جاوید ہیں جنہوں نے جلد ہی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا ہے۔ ان کا شمار پاکستان کے دو ڈبلیوز وسیم اکرم اور وقار یونس کے بعد تیسرے نمبر پر بہترین بولر کے طور پر ہوتا ہے۔

عاقب جاوید پانچ اگست ۱۹۷۲ کو شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ صرف دس سال کی عمر سے کرکٹ کا آغاز کیا اور مقامی کرکٹ میں مسلسل عمدہ کارکردگی دکھاتے رہے۔ ان کی یہ خوش قسمتی تھی کہ ان کے ٹیلنٹ کو عمران خان کی جوہر شناس نگاہوں نے پرکھ لیا ___ اور پھر عمران ہی ان کو قومی ٹیم تک لے کر گئے۔ عاقب بھی عمران خان کے اعتماد پر پورا اترے اور مسلسل عمدہ کارکردگی دکھاتے رہے۔ ورلڈ کپ ۱۹۹۲ کی فتح میں بھی عاقب جاوید کا خاصا کردار رہا ہے۔ انہوں نے اس ورلڈ کپ میں بہترین بولنگ کا مظاہرہ کر کے زخمی وقار یونس کی کمی کو خاصی حد تک پورا کیا۔ عاقب جاوید کو ون ڈے کرکٹ کی تاریخ کی بہترین بولنگ کرانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ یہ کارنامہ انہوں نے بھارت کے خلاف شارجہ میں انجام دیا تھا۔ جہاں صرف ۳۷ رنز کے عوض ۷ بھارتی بیٹسمین ان کی طوفانی بولنگ کا شکار ہوئے تھے۔ اس میں ایک ہیٹ ٹرک بھی شامل تھی

عاقب جاوید گزشتہ کچھ عرصے سے کمر کی تکلیف کے باعث اَن فٹ تھے اس لئے قومی ٹیم میں شامل نہیں تھے لیکن اس سیزن میں وہ مکمل فٹ ہو کر ٹیم میں واپس آئے اور سہ فریقی ٹورنامنٹ میں پاکستان کی نمائندگی کی۔

عاقب کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت مغرور ہیں مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ عاقب جاوید انتہائی ہنس مکھ اور بااخلاق انسان ہیں۔ ہر کسی سے انکساری سے ملنا ان کی عادت ہے۔

آنکھ مچولی کے قارئین عاقب جاوید کو بے حد پسند کرتے ہیں۔ ان کی باتیں سننا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے انٹرویو کی فرمائش پر فرمائش آ رہی تھی ایک قاری نے تو اپنے خط میں ہمیں شیخوپورہ جا کر عاقب جاوید سے انٹرویو تک کرنے کا مشورہ دے دیا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ عاقب کبھی پاکستانی ٹیم کے ساتھ مصروف ہوتے تو کبھی کہیں اور گئے ہوتے۔ ان سے اکثر ملاقاتیں تو ہوتی رہتیں لیکن انٹرویو ہمیشہ رہ جاتا مگر پھر شیخوپورہ جانے کی نوبت آنے سے قبل ہی اس بار جب عاقب کراچی آئے تو انہیں ہمیں انٹرویو دینا ہی پڑا۔

سوال:۔ عاقب بھائی چونکہ یہ انٹرویو بچوں کے مقبول رسالے آنکھ مچولی کے لئے ہے اس لئے آپ سے پہلا سوال بھی آپ کے بچپن ہی کے بارے میں ہے۔ ذرا اپنے بچپن کے بارے میں بتائیے کہ تعلیم کہاں سے حاصل کی بچپن میں شرارتی تھے یا سنجیدہ؟

عاقب جاوید:۔ بچپن میں بس میں ٹھیک ہی تھا۔ زیادہ شرارتیں نہیں کرتا تھا۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ میں بالکل سنجیدہ تھا۔ چھوٹی موٹی شرارتیں تو چلتی ہی رہتی ہیں۔ تعلیم میں نے شیخوپورہ ہی کے گورنمنٹ ہائی اسکول سے حاصل کی۔ دس بارہ سال کی عمر ہی سے مجھے کرکٹ کھیلنے کا شوق ہو گیا تھا۔

سوال:۔ گھر والے آپ کو کرکٹ کھیلنے سے منع تو نہیں کرتے تھے؟

عاقب جاوید:۔ نہیں جی، میرے گھر والوں نے مجھے کرکٹ کھیلنے سے کبھی منع نہیں کیا۔ میرے والد کو بھی کرکٹ کا بہت شوق ہے۔ انہوں نے میری بہت حوصلہ افزائی کی۔

سوال:۔ کرکٹ میں آپ کی کوچنگ کس نے کی

عاقب جاوید:۔ کسی نے بھی نہیں۔ بس انڈر ۱۶ کرکٹ کی سطح پر خان محمد اور وسیم راجہ نے کافی رہنمائی کی۔

سوال:۔ آپ کو یہ بات کب محسوس ہوئی کہ آپ میں اچھا کرکٹر بننے کی صلاحیت موجود ہے؟

عاقب جاوید:۔ لاہور میں ایک انڈر ۱۶ کا کیمپ لگا تھا جس کے کوچ وسیم حسن راجا تھے انہوں نے مجھے مکمل طور پر کرکٹ کے طرف لگایا پھر عمران خان سے ملاقات ہوئی ان کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اچھی کرکٹ ضرور کھیلوں گا۔

سوال:۔ آپ نے تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے؟

عاقب جاوید:۔ میں نے ایف اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔

سوال:۔ پڑھائی میں آپ کیسے تھے؟

عاقب جاوید:۔ بہت زیادہ اچھا نہیں تھا۔ بس عام طالبعلموں کی طرح تھا۔

سوال:۔ آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟

عاقب جاوید:۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔

سوال:۔ آپ کے علاوہ کسی اور بھائی کو کرکٹ کھیلنے کا شوق ہے؟

عاقب جاوید۔ سب سے چھوٹے بھائی کو ہے۔

سوال:۔ کرکٹ ٹیم میں آپ کے بہترین دوست کون کون ہیں؟

عاقب جاوید:۔ وقار یونس اور مشتاق احمد میرے بہترین دوست ہیں اور ہم زیادہ تر فارغ وقت ایک ساتھ ہی گزارتے ہیں۔

سوال:۔ کرکٹ کے علاوہ کون سا کھیل کھیلتے ہیں؟

عاقب جاوید:۔ کرکٹ کے علاوہ فٹ بال کھیلتا رہا ہوں۔

سوال:۔ یہ آپ کو فاسٹ بولر بننے کا خیال کیسے آیا اس لئے تو نہیں کہ ساتھیوں پر رعب ڈال سکیں؟

عاقب جاوید:۔ (مسکراتے ہوئے) نہیں جی ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بس شروع ہی سے رجحان فاسٹ بولنگ کی طرف ہی تھا۔

سوال:۔ کرکٹ میں آج آپ کا جو مقام ہے اس کا کریڈٹ کسے جاتا ہے؟

عاقب جاوید:۔ عمران خان کو انہوں نے مجھے بہت

کچھ سکھایا ہے۔
سوال:۔ آپ نے کرکٹ ٹیم کے ساتھ کافی دورے کیے کونسادورہ آپکی نظرمیں یادگارترین ہے؟
عاقب جاوید:۔ ۱۹۹۲ کا ورلڈکپ ہمارے لئے یادگار ترین دورہ ہے۔ اس کے علاوہ ورلڈکپ کے بعد انگلستان کا دورہ بھی اچھا تھا۔
سوال:۔ آپ کا یادگار ترین میچ کون سا ہے؟
عاقب جاوید:۔ میرا یادگار ترین میچ شارجہ کپ کا بھارت کے خلاف میچ ہے۔ جس میچ میں مَیں نے ۳۷ رنز کے عوض ۷ وکٹیں لے کر ورلڈ ریکارڈ بنایا تھا۔
سوال:۔ ورلڈ ریکارڈ بنانے کے بعد آپ کے کیا تاثرات تھے؟
عاقب جاوید:۔ بہت خوش تھا۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ ہماری مخالف ٹیم روایتی حریف بھارت تھی۔
سوال:۔ آپ کافی عرصے ٹیم سے باہر رہے اس کی کیا وجہ ہے؟
عاقب جاوید:۔ اَن فٹ تھا بعد میں سلیکٹر نے سلیکٹ نہیں کیا۔ لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری فرسٹ کلاس کرکٹ میں میری عمدہ کارکردگی مجھے دوبارہ ٹیم میں واپس لے آئی۔
سوال:۔ آپ کی فٹنس کیسی ہے؟
عاقب جاوید:۔ اب ماشاء اللہ میں بالکل فٹ ہوں۔ دراصل ایک سال قبل مجھے شارجہ ٹورنامنٹ کے دوران کمر میں ہیرلائن فریکچر ہو گیا تھا جس کو ٹھیک ہونے میں کچھ وقت لگا۔
سوال:۔ کرکٹ میں آپکے آئیڈیل کھلاڑی؟
عاقب جاوید:۔ ویسٹ انڈیز کے فاسٹ بولر میلکم مارشل۔
سوال:۔ کسی بیٹسمین کو آوٹ کرنے میں دشواری ہوئی ہے؟
عاقب جاوید:۔ نیوزی لینڈ کا مارٹن کرو۔ وہ بہت اچھا بیٹسمین ہے۔
سوال:۔ سنا ہے آپ بیٹنگ پر توجہ دے رہے ہیں؟
عاقب جاوید:۔ نہیں جی....... میرے خیال میں مجھ میں بیٹنگ کا ٹیلینٹ ہی نہیں ہے۔
سوال:۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ بہت غصیلے ہیں اِمپائیرز تک سے جھگڑا کرتے ہیں مغرور ہیں وغیرہ وغیرہ؟
عاقب جاوید:۔ تمہارا کیا خیال ہے؟
سلیم خالق:۔ میرے خیال میں جس عاقب سے میں ملتا ہوں وہ بہت خوش اخلاق اور اچھا شخص ہے اور جس عاقب سے لوگ ملتے ہیں وہ ....؟
عاقب جاوید: (ہنستے ہوئے) آپ کی رائے ہی میرے خیال میں زیادہ ٹھیک ہے۔
سوال:۔ اچھا اگر آپ بولنگ کرا رہے ہوں اور کھلاڑی آوٹ ہو جائے لیکن امپائیر آوٹ نہ دے تو آپ اپنی مایوسی اور غصہ کا اظہار کس طرح کریں گے؟
عاقب جاوید:۔ دو دفعہ امپائیرز سے اس چکر میں

جھگڑا بھی ہو گیا تھا۔ لیکن ایسا نہیں کرنا چاہئے اگر امپائیر درست اپیل بھی مسترد کر دے تب بھی امپریشن اچھا دینا چاہئے۔

سوال:۔ اگر کوئی بیٹسمین آپ کی بول پر خوبصورت سا چوکا لگا دے تو آپ کیا کریں گے اس کو اچھے شاٹ کی داد دیں گے یا............ ؟

عاقب جاوید:۔ (مسکراتے ہوئے) پہلے تو میں یہ دیکھوں گا کہ گیند کیسی تھی اگر اچھی گیند پر چوکا لگا دیا تب تو ٹھیک ہے کہ اچھا کھیلا لیکن اگر خراب گیند تھی تب خود پر غصہ آتا ہے کہ ایسی گیند کیوں کرائی۔

سوال:۔ عاقب آپ لوگوں پر بال ٹیمپرنگ کا الزام بھی تو لگایا جاتا ہے؟

عاقب جاوید:۔ جی ہاں، اب سے کچھ عرصے قبل تک کسی کو اس کا کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ یہ بال ٹیمپرنگ کیا ہے مگر جب پاکستان کے دو ڈبلیوز نے کامیابیاں حاصل کرنا شروع کیں تو اس سے گھبرا کر گوروں نے یہ چکر چلایا کہ ہم لوگ گیند کو خراب کرتے ہیں۔ نیوزی لینڈ والوں نے تو یہ تک کر دیا تھا کو جو فوٹو گرافر گیند خراب کرتے ہوئے ہماری تصویر کھینچے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ یہ سب بکواس باتیں ہیں۔ ہم لوگ جو بولنگ کرتے ہیں وہ بال ٹیمپرنگ نہیں بلکہ ایک آرٹ ہے پرانی گیند کو سوئنگ کرانے کا۔

سوال:۔ پاکستان کے پاس دنیا کے بہترین فاسٹ بولرز ہیں لیکن پھر بھی یہاں کی وکٹیں بے جان ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

عاقب جاوید:۔ بس جی یہاں کا تو پورے کا پورا سسٹم ہی بے جان ہے۔ اچھے گراؤنڈز نہیں ہیں اور جو اچھے گراؤنڈ ہیں وہ بھی عدم توجہی کے باعث خراب ہو چکے ہیں۔

سوال:۔ کیا چھوٹی سطح کی کرکٹ کو بھی مزید فعال کرنا ضروری ہے؟

عاقب جاوید:۔ جی ہاں بالکل انڈر ۱۴، ۱۶، ۱۹ کی ٹیمیں بنانی چاہئیں اس سے نیا ٹیلنٹ سامنے آئے گا۔ موجودہ ٹیم میں ۸۰ فیصد کھلاڑی اس طرح کی کرکٹ کی پیداوار ہیں۔

سوال:۔ اچھا عاقب بھائی قارئین آنکھ مچولی کے نام کوئی پیغام دیں گے؟

عاقب جاوید:۔ جی ہاں کیوں نہیں بچے تو ویسے بھی مجھے بہت پسند ہیں۔ میرا پیغام یہ ہے کہ جو بھی کام کریں چاہے کرکٹ کھیلیں یا پڑھیں، اس میں بھرپور محنت کریں۔ محنت بہت ضروری ہے کوئی چیز محنت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور ہاں روزانہ رات کو سونے سے پہلے اپنا احتساب کرنا چاہئے کہ آج میں نے کون سا کام اچھا کیا ہے اور کون سا بُرا۔

سلیم خالق:۔ اچھا عاقب بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ۔

عاقب جاوید:۔ آپ کا بھی شکریہ۔

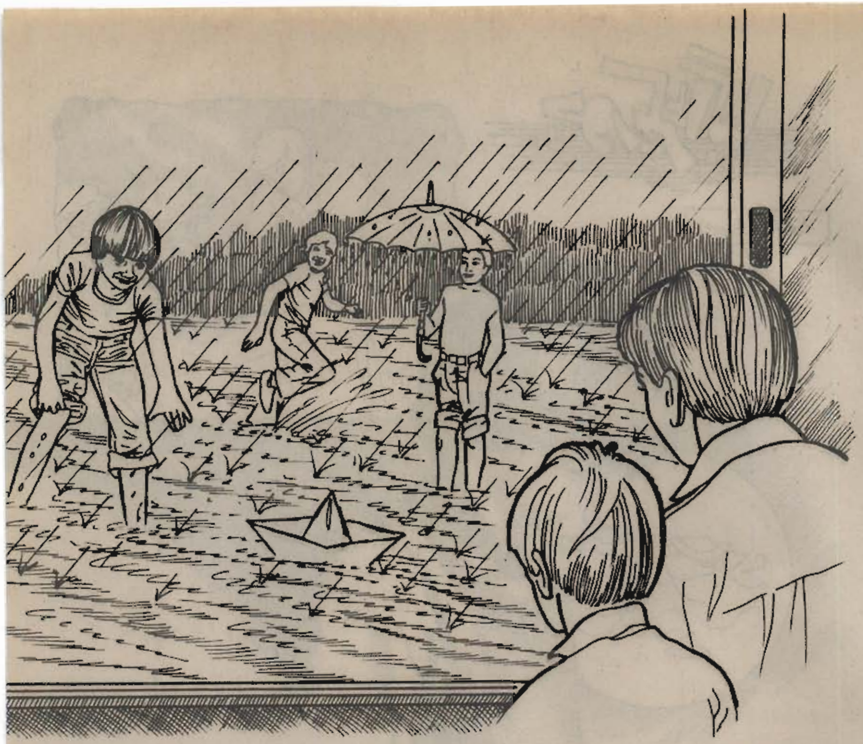

برسات

حسن عابدی

بادل برس رہے ہیں بجلی چمک رہی ہے
ارض و سما نے جیسے برسات اوڑھ لی ہے

کچھ بھی نظر نہ آئے، کھڑکی سے دیکھ باہر
ہر سُو تنی ہوئی ہے پانی کی ایک چادر

نالے اُبل رہے ہیں، پرنالے چل رہے ہیں
ہم بے بسی سے بیٹھے پہلو بدل رہے ہیں

بارش تھمے تو ہم بھی باہر نکل کے دیکھیں
کیا شہر کا ہے نقشہ کچھ دور چل کے دیکھیں

یوں اپنے گھر کے اندر پابند ہو گئے ہیں
پانی کی ایک بوتل میں بند ہو گئے ہیں

چور پکڑا گیا

ایاز محمود

"حد ہوتی ہے گستاخی کی بھی!" ابا جان آگ بگولا ہوتے ہوئے چنگھاڑے۔ "میں کہتا ہوں کس نے توڑا ہے میرا قیمتی گلدان۔ بولو بتاؤ چپ کیوں ہو؟"

ابا جان یونہی ٹہل ٹہل کر ساری خلقت کو ڈانٹتے دھمکاتے اور ڈپٹتے رہے لیکن گلدان کے توڑے جانے کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ سامنے قطار بنا کر کھڑے ہوئے سارے بچے یعنی ببلو، ٹلو، گپو، چھٹکی، پنکی، بڑ آپا، اور قربان علی خانساماں ڈر کے مارے تھر تھر کانپتے رہے لیکن اصل مجرم تھا کہ قبول کر ہی نہیں دیتا تھا۔

یہ ساری آفت اس وقت شروع ہوئی جب امی نے شام کی چائے بنانے کے لئے برتنوں کی الماری کھولی اور ــــ دھک! ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے بکھری ہوئی کرچیاں اس بیش قیمت گلدان کی تھیں جو پچھلے ہی ہفتے ابا جان دبئ سے لے کر آئے تھے۔ شام کی چائے تو گئی بھاڑ چولہے میں اباجان کو خبر ہوتے ہی گھر میں گویا زلزلہ آگیا۔ انہیں گلدان کے ٹوٹنے کا افسوس تو تھا ہی، ساتھ ہی ساتھ اس بات پر غصہ بھی آرہا تھا کہ

گھر کے افراد میں سے کوئی ایک اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں جھوٹ بھی بول رہا تھا۔

اپنی چیخ وپکار کو بے اثر ہوتا دیکھ کر ابا جان نے دوسرا حربہ آزمایا۔ لاڈ پیار سے چمکار کر ہر ایک سے بار بار پوچھا اور یہ اعلان بھی کیا کہ اقبال جرم کی صورت میں مجرم کو کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن وہ تمام افراد جو کہ اب سے تھوڑی دیر ہی پہلے ابا جان کو گرجتا اور برستا ہوا دیکھ چکے تھے بظاہر کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

"دیکھو تم میں سے کوئی ایک ضرور قصور وار ہے۔" ابا جان بولے۔ "اگر اس کے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ اپنے قصور کا اعتراف کرے تو سزا تم سب کو ملے گی۔ اور تمہاری سزا میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ آج سے ایک ہفتہ ٹی وی دیکھنا بالکل بند۔ خبردار جو تم میں سے کسی نے ٹی وی کو ہاتھ بھی لگایا۔ تم جیسے لوگوں کی یہی سزا ہونی چاہئے۔"

ابا جان تو اپنی عدالت برخواست کر کے اپنے کمرے کو چل دیئے مگر ان کے جاتے ہی مشکوک افراد کی صف میں کھلبلی سی مچ گئی۔ سارے بچوں کی مشترکہ رائے کے مطابق یہ کام قربان علی خانساماں کا ہی ہو سکتا تھا مگر قربان علی کی رائے ان سے متفق نہیں تھی۔

"دوپہر کے کھانے تک تو گلدان اپنی جگہ صحیح سلامت ہی تھا۔" اس نے کہا۔ "جو چاہو تو بیگم صاحب سے پوچھ لو۔ میں نے ان کے سامنے پانی کا جگ نکالا ہے الماری سے کھانے کے بعد میں باہر چارپائی پہ سوتا رہا۔ بیشک کسی سے پوچھ لو۔"

بڑی آپا جنہیں تیزی سے بڑ آپا کہا جاتا تھا اپنے آپ کو خاصا بڑا فلسفی سمجھتی تھیں۔ عمر تو ان کی ہوگی خیر سے یہی کوئی بارہ تیرہ برس مگر بچپن ہی سے عینک لگ جانے کی وجہ سے اچھی خاصی نانی اماں نظر آتی تھیں۔ عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے بولیں۔" اب میں اپنے طور پر تفتیش کروں گی۔ آخر کوئی بات ہے! کرے کوئی ایک اور بھریں ہم سب۔"

بڑ آپا کی تفتیش کچھ زیادہ دیر نہیں چل سکی اس لئے کہ ایک تو سب بچے ابھی کچھ ہی دیر پہلے ابا جان کا لکچر سن چکے تھے اور دوسرا یہ کہ ان سے ایک سال چھوٹے گپو میاں بھی خود کو سائنس دان سمجھتے ہوئے نئی نئی تھیوریاں پیش کر رہے تھے۔

"میرے خیال میں تو یہ" بڑ آپا نے چیخ کر کہا۔

"آخر ہم سائنس کیوں پڑھتے ہیں؟" گپو نے بات کاٹی۔

"سنو" بڑ آپا نے مزید چیختے ہوئے کہا "میری بات سنو جاہلو! یوں کرتے ہیں کہ".....

"میں کہتا ہوں کہ جب ہم ریت سے نمک اور لوہے کے ٹکڑے الگ چھان سکتے ہیں تو آخر اس فارمولے سے چور کو کیوں نہیں پکڑ سکتے؟"

"میں نے گلدان نہیں توڑا" پانچ سالہ چھٹکی نے گھبرا کر تقریباً روتے ہوئے کہا۔

مسئلہ الجھتا ہی جارہا تھا کہ پنکی نے یکایک نعرہ لگایا "بو ماموں آگئے۔"

بوّ ماموں نہ صرف اپنے بھانجوں بھانجیوں کے بلکہ اڑوس پڑوس کے تمام بچوں کے ماموں تھے۔ پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے اور اکثر و بیشتر بجلی سے چلنے والی طرح طرح کی چیزیں بناتے رہتے تھے۔ کھیل کود کے بھی بہت شوقین تھے لہٰذا بچے ان سے گھلنے ملنے میں کوئی تکلّف نہیں محسوس کرتے تھے۔

بوّ ماموں کے گھر میں داخل ہوتے ہی سارے بچوں نے ان کا گھیراؤ کر ڈالا۔ ہر بچے کی یہ خواہش تھی کہ اپنے الفاظ میں گلدان ٹوٹنے کا حال اور اسکی وجہ سے پیش آنے والے مسائل سے انکو جلد از جلد آگاہ کرے سات مختلف آوازیں اپنے اپنے طور پر بو ماموں کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہ رہی تھی اور نتیجتاً وہ شروع میں کچھ بھی نہ سمجھ پائے۔

"چپ ہو جاؤ تم سارے کے سارے۔" وہ دھاڑتے ہوئے بولے۔

"ہاں تم بتاؤ بڑ آپا کیا بات ہے؟" انہوں ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ بڑ آپا نے شیشے صاف کر کے عینک دوبارہ ناک پر ٹکائی اور اس وقت تک کی تمام کارروائی نہایت سلیس اردو میں بیان کر دی۔

"ہوں تو یہ مسئلہ ہے۔" بو ماموں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مگر ہر مسئلہ کا کوئی حل بھی ہوتا ہے اور یاد رکھو کہ جرم کبھی نہیں چھپتا۔ جس کسی سے بھی یہ حرکت سرزد ہوئی ہے وہ اپنے آپ سے امی ابو سے اور مجھ سے تو جھوٹ بول سکتا ہے لیکن مشین سے نہیں۔"

"مشین؟" بچوں کی آواز میں حیرت تھی۔

"ہاں جھوٹ پکڑنے کی مشین یعنی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔"

بو ماموں نے یہ کہہ کر اپنے کمرے کا رخ کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد جب ان کی واپسی ہوئی تو ان کے ہاتھ میں ایک عدد لکڑی کا ڈبہ بھی تھا۔

"تو یہ ہے بچو جھوٹ پکڑنے کی مشین۔" انہوں نے بچوں کو ڈبہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "اب میری بات غور سے سنو۔ جس کسی نے بھی گلدان توڑا ہے اس نے یقیناً الماری کو کھولا ہو گا اور الماری کھولنے کے لئے ضروری ہے کہ باہر لگے ہوئے ہینڈل کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا جائے۔ الماری کو کھولنے والا ہینڈل پیتل کا ہے۔ اب جس کسی نے بھی الماری کھولی تو لازمی بات ہے اس کی انگلیوں کے نشانات ہینڈل پر ثبت ہو گئے ہونگے۔ تمام بچے دم بخود بو ماموں کی تقریر سن رہے تھے۔

"اب غور سے اس ڈبے کو دیکھو۔" بو ماموں نے کہا۔ "میں نے وہ نشانات ہینڈل پر سے اتار کر اس ڈبے کے اندر منتقل کر دیئے ہیں۔ ڈبے کے اوپر یہ ایک عدد بلب ہے اور یہ ساتھ میں ٹین کی پٹی لگی ہوئی ہے۔ ہم اس ڈبے کو کھانے کے کمرے میں رکھ دیں گے اور بیچ کے پردے کو برابر کر دیں گے۔ اب ہو گا یہ کہ ہر بچہ باری باری

پردے کے پیچھے جائے گا اور ڈبے کے اوپر لگی ہوئی اس ٹین کی پٹی کو اپنے سیدھے ہاتھ کی پہلی انگلی سے چھو کر آئے گا۔"

"میں سمجھ گیا۔" گپو نے بات اچک کر کہا۔ "ٹین کی پٹی میں کرنٹ ہے جو صرف اس بچے کے لگے گا جس نے گلدان توڑا ہے۔"

"آپ کچھ نہیں سمجھے گپو میاں۔" ببو ماموں نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہوگا دراصل یہ کہ ٹین کی پٹی پر انگلی رکھتے ہی آپ کی انگلی کے نشانات پٹی سے ڈبے کے اندر منتقل ہو جائیں گے جہاں پر اس شخص کی انگلیوں کے نشانات پہلے ہی سے موجود ہیں جس نے الماری کا ہینڈل کھولا۔ تو بچو مجرم کے پٹی پر انگلی رکھتے ہی ڈبے کے اندر سے اشارہ آئے گا کہ یہی ہے پکڑ لو اور ڈبے کے اوپر لگا ہوا بلب آواز کے ساتھ جلنے بجھنے لگے گا۔

اچھا بھئی۔ دیکھو میں ڈبے کو یہاں رکھ رہا ہوں۔" ببو ماموں نے کھانے کی میز پر ڈبے کو رکھتے ہوئے کہا اور بیچ میں لگے ہوئے پردے کو برابر کر کے دوسری طرف آ گئے جہاں چھوٹے بڑے بچے اور قربان علی خانساماں حیران و پریشان کھڑے تھے۔

سب ایک ایک کر کے پردے کے پیچھے جاتے رہے اور میز پر رکھے ہوئے ڈبے کے اوپر لگی ہوئی ٹین کی پٹی کو چھو کر واپس آتے رہے۔ مگر نہ تو بلب جلا اور نہ ہی ڈبے میں سے کسی قسم کی آواز پیدا ہوئی اور آخر کار سب سے آخر میں بڑ آپا ہی باقی رہ گئیں۔

"چلو بھئی"۔ گپو نے کہا۔ "ریت سے نمک علیحدہ ہو گیا۔"

"خاموش۔" بڑ آپا نے گپو کا مطلب سمجھتے ہوئے دھاڑ لگائی اور "میں کوئی جھوٹی ہوں" کہہ کر پردے کے پیچھے گئیں اور پلٹ کر واپس آ گئیں۔

ڈبے نے کسی کے بھی مجرم ہونے کی اطلاع نہیں دی۔

"میں باورچی خانے سے پانی پی کر آتا ہوں۔" ٹلو نے اعلان کیا۔

"خبردار جو کوئی یہاں سے ہلا۔" ببو ماموں نے چہرے کو سنجیدہ بناتے ہوئے کہا۔ "ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔"

"چلو تم سب ایک قطار بنا کر کھڑے ہو جاؤ۔" انہوں نے حکم دیا۔ "سب لوگ اپنا سیدھا ہاتھ باہر نکال لیں۔"

حیران اور پریشان ہوتے ہوئے بچوں نے فوراً اپنا اپنا دایاں ہاتھ سامنے کر لیا۔ ببو ماموں قطار کے ایک سرے سے ہاتھوں کا بغور معائنہ کرتے ہوئے آگے چلتے گئے آخر میں کھڑے ہوئے قربان علی تک پہنچے واپس مڑے اور اس طرح پھر وہیں پر پہنچ گئے جہاں سے شروع میں چلے تھے۔

"ببلو بیٹا آپ باہر آئیں۔" انہوں نے پیار سے کہا۔ "دیکھئے مجھے پتہ لگ گیا ہے کہ گلدان

آپ ہی سے ٹوٹا ہے۔ چلیں اب اپنا قصور مان لیں۔ "

"ببلو کو ڈر کے مارے پسینہ آ گیا۔ "بو ماموں میں میں............ " اس نے کچھ کہنا چاہا۔

" دیکھو ببلو۔ " بوماں نے اس مرتبہ کچھ سختی سے کہا۔ "مجھے سب معلوم ہے اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ صاف صاف ساری بات بتا دو ورنہ دوسری صورت میں تمام رپورٹ مع ثبوت ابا جان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔ "

ببلو کی رہی سہی جان بھی نکل گئی"بو ماموں مجھے معاف کر دیں"اس نے گھگھیا کر کہا۔ "مجھ سے غلطی ہو گئی۔ "

ببلو صاحب آخر مان ہی گئے کہ گلدان ان کی لاپرواہی سے شہید ہوا تھا۔انہوں نے اٹک اٹک کر جو واقعہ سنایا اس کا خلاصہ یوں ہے کہ ٹلو کے ڈر سے انہوں نے اپنی کرکٹ کی گیند چھپا کر برتنوں کی الماری میں رکھ دی تھی کہ ٹلو ہمیشہ ان سے پوچھے بغیر ہی گیند لے جاتا جو کھیل کے بعد کبھی واپس نہ آتی۔ سہ پہر کو تین بجے کے قریب انہوں نے الماری سے جو گیند نکالنا چاہی تو غلطی سے ہاتھ گلدان سے جا ٹکرایا جو اس صدمے کو برداشت نہ کرتے ہوئے الماری سے باہر زمین پر جا پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ببلو میاں کے ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ایسے میں یہی سمجھ میں آیا کہ احتیاط سے ٹوٹے ہوئے کانچ اٹھا کر واپس الماری میں رکھ دیئے جائیں اور گیند لے کر اس طرح غائب ہوا جائے کہ کسی کے کانوں کو بھی خبر نہ ہو کہ کیا ہوا۔

بو ماموں نے تھوڑا سمجھانے بجھانے کے بعد ببلو کو راضی کر لیا کہ ابا جان کے پاس جائے اور ہمت و بہادری سے اپنی غلطی کا اعتراف کرے۔ انہوں نے بتایا اپنی غلطیوں کو مان لینے سے انسان میں اعتماد اور عزت نفس پیدا ہوتی ہے۔

مسئلے کو یوں حل ہوتا دیکھ کر سب بچے حیرت میں غوطہ زن تھے کہ بو ماموں نے آخر کس طرح ببلو کی نشاندہی کی جب کہ مشین بھی کچھ بتانے سے قاصر رہی تھی۔

" دیکھو بھئی " یہ ایک خالی ڈبہ ہے۔ " بو ماموں نے لکڑی کا ڈبہ چاروں طرف سے دکھاتے ہوتے ہوئے کہا۔ "اس کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں جو انگلیوں کے نشانات سے مجرم کو پکڑ سکے۔ "

بچوں کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ "میں نے کیا یہ کہ ڈبے کے اوپر لگی ہوئی اس ٹین کی پٹی پر ایک خاص قسم کا چھوٹنے والا رنگ لگا دیا۔ تم سب لوگ اپنی اپنی انگلیاں دیکھو تو ان پر لگا ہوا رنگ تمہیں صاف نظر آئے گا۔ "

تمام لوگوں کی انگلیاں ان کی آنکھوں سے دو انچ کے فاصلے پر پہنچ گئیں۔

" یہ رنگ دراصل ٹین کی پٹی پر لگا ہوا رنگ ہے جو چھونے سے انگلیوں پر بھی لگ گیا۔ "

" آپ آخر کیا کہنا چاہتے ہیں بو ماموں ؟ " بڑ

آپا نے نہایت بے صبری سے پوچھا۔

"وہی تو بتا رہا ہوں۔" ببو ماموں نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔ "ببو کو کیونکہ خطرہ تھا کہ اس کی انگلیوں کے نشانات ڈبے میں ہونے کی صورت میں ٹین کی پٹی پر انگلی رکھتے ہی بلب جل اٹھے گا تو پھر پتا ہے اس نے کیا کیا؟"

بچوں پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"اس نے ٹین کی پٹی کو چھوا ہی نہیں اس ڈر سے کہ وہ کہیں پکڑا نہ جائے اور بات اب صاف ظاہر ہے نہ اس نے ٹین کی پٹی کو چھوا اور نہ ہی اس کی انگلی پر رنگ لگا جب میں نے تم سب کے ہاتھ دیکھے تو ببلو کی بے داغ انگلیاں خود بتا رہی تھیں کہ اس کے دل میں چور ہے۔"

"آپ نے تو واقعی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔" گپو نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا۔

"ببلو دراصل سزا کے خوف سے چپ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ سب لوگوں کو نہ کئے گئے قصور کی سزا پاتے دیکھ کر اس سے چپ نہ رہا جاتا اور وہ ایک آدھ دن میں خود ہی اپنے کئے کا اعتراف کر لیتا۔"

"ضمیر کی چبھن بہت بری چیز ہے۔" ببو ماموں کہہ رہے تھے۔ "اس سے ہمیشہ بچنا چاہئے۔"

بچوں کے مشہور و معروف مصنف

اشتیاق احمد

کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

۵۸۸۔ قتل کی دعوت — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۵ روپے
۵۸۹۔ جرم کا انداز — " — ۱۵ "
۵۹۰۔ فارمولے کی واپسی — " — ۱۵ "
۵۹۱۔ چابی + خط — " — ۱۵ "
۸۲۔ نامعلوم دشمن — " — ۱۵ "
۸۳۔ قصبے کی روح — " — ۱۵ "
۸۴۔ مخلص قاتل — " — ۱۵ "
۸۵۔ قلمی مہمان — " — ۱۵ "

۲۰ فروری ۱۹۹۵ء کو آپ کے شہر میں ہر بڑے بک سٹال پر دستیاب

یا

پھر براہِ راست خط لکھ کر ادارے سے بذریعہ وی پی منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز

۱۲/۹ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں لاہور — فون ۷۲۴۶۳۵۶

ڈاکیہ آیا آنکھ مچولی لایا

اگر آپ گھر بیٹھے آنکھ مچولی پڑھنا چاہتے ہیں
تو پھر اس کے سالانہ خریدار بنیئے

سالانہ ممبر شپ کے فائدے

96 روپے کی بچت ہوگی
بک اسٹال کے چکر لگانے سے نجات مل جائے گی

آنکھ مچولی کے 12 عام شمارے
اور 2 خاص شماروں کی سالانہ قیمت 236 روپے
لیکن سالانہ خریداروں کے لیے صرف 140 روپے
سالانہ خریدار بننے کے لیے 140 روپے کا منی آرڈر کر دیجئے،
آنکھ مچولی آپ کو گھر بیٹھے ایک سال تک ملتا رہے گا۔

منی آرڈر کرنے کا طریقہ

اگر آپ "آنکھ مچولی" بذریعہ وی پی منگوانا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں ایک خط لکھ دیجئے۔ ہم آپ کو رسالہ بھیج دیں گے۔ یہ رسالہ آپ کے علاقے کا ڈاکیہ آپ تک پہنچائے گا۔ رسالے کے ساتھ ایک وی پی فارم ہوگا۔ اس فارم پر رسالے کا سالانہ چندہ یعنی 140 روپے لکھ کر رقم آپ ڈاکیے کے حوالے کر دیں گے۔ آپ کی ادا کی ہوئی رقم محکمہ ڈاک کے ذریعے دفتر آنکھ مچولی پہنچ جائے گی۔ جس کی رسید آپ کو بھیج دی جائے گی اور یوں ہر مہینے آپ کو پابندی سے رسالہ ملتا رہے گا۔ فرض کیجئے کہ آپ چاہتے ہیں کہ رسالہ راستے میں کبھی گم نہ ہو اور وقت پر آپ کو ملتا رہے تو پھر آپ کو رسالہ رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانا چاہیے اس کی رقم 200 روپے ہے۔

اسے کہتے ہیں: مناسب دام بہت آرام

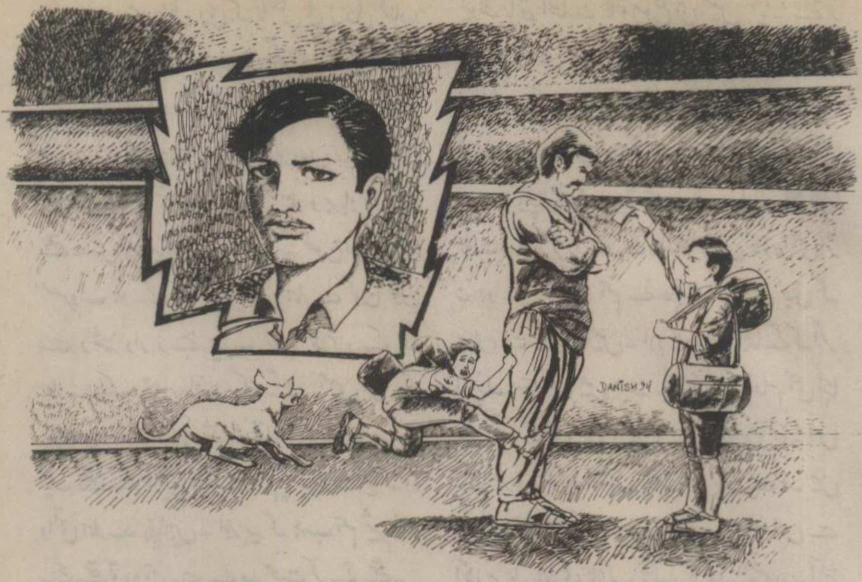

مجھے میرے چچا جان سے بچاؤ

شرجیل نذر

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم نے نیا نیا میٹرک پاس کیا تھا۔ میٹرک کیا پاس کیا گویا ہم نے واقعی کوئی معرکہ سر کر لیا۔ ایسے ایسے رشتہ دار ہمیں مبارک باد دینے آئے اور اتنا بھینچ بھینچ کر گلے لگایا کہ ہم نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کبھی میٹرک پاس نہیں کریں گے۔ بہر حال یہ جرم جو ہم سے سرزد ہوا اس کی سزا ہمیں بھگتنا ہی تھی۔ اصل قصہ کچھ یوں ہے کہ ہم ایک چھوٹے شہر میں رہتے تھے اسی لئے بڑوں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں کراچی بھیج کر وہاں کے بہترین کالج میں داخل کروایا جائے تاکہ ہم اپنا اور والدین کا نام روشن کر سکیں۔ ہم بھی فوراً تیار ہو گئے۔ والدین کا نام روشن کرنے کے خیال سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ چلو ہاسٹل کے مزے لوٹیں گے۔ ہر طرح کی آزادی ہو گی۔ صبح سویرے اٹھنے کا خوف ہو گا نہ رات کو دیر سے سونے پر ڈانٹ ڈپٹ کا اندیشہ۔

مگر ہماری ایسی قسمت کہاں ...... ہمارے اسکول کے ایک ماسٹر صاحب نے کہیں یہ بات والد محترم

کے کانوں میں ڈال دی کہ ہاسٹل کی زندگی گناہ و معصیت کا ایک دوزخ ہے اور گھر کی زندگی پاکیزگی و طہارت کا کعبہ۔ اگر یہیں تک ہوتا تو ٹھیک تھا مگر انہوں نے تو اپنے تین، چار شاگردوں کے نام بھی گنوا دیئے جو ہاسٹل میں رہ کر تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ بس پھر کیا تھا والد صاحب یہ کھوج لگانے میں مصروف ہو گئے کہ کراچی میں ہمارے کون کون سے رشتہ دار رہتے ہیں۔ بڑی تلاش کے بعد ہمارے ایک چچا دریافت کئے گئے۔ ہمیں ان کے چچا جان ہونے پر کوئی شبہ نہ تھا پھر بھی ابا جان، نے ایک گھنٹے کے طویل لیکچر سے ہم پر یہ ثابت کیا کہ وہ واقعی ہمارے چچا ہیں۔ اور یہ کہ جب ہم شیر خوار بچے تھے تو وہ ہم سے بے حد محبت کرتے تھے۔

خیر صاحب ہم نے اپنا سامان باندھا اور کراچی پہنچ گئے۔ رات کا وقت تھا۔ چچا کا گھر تلاش کر رہے تھے کہ ایک نکڑ سے "بخ" کی آواز آئی قریب سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ دیسی نسل کا کتا ہے۔ اور کچھ قوم پرست واقع ہوا ہے۔ کوٹ پتلون دیکھ کر بھونکنے لگ گیا۔ ہم نے اسے بڑے پیار سے سمجھایا کہ بھیا ہم تمہارے فلاں رشتہ دار کے شہر دار ہیں اس لئے لحاظ کرو۔ مگر کتا تو اپنا کوئی پرانا ہی حسلب چکانا چاہتا تھا اس لئے ہماری تمام منت سماجت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی سریلی آواز میں ہم پر بھونکنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے تعلقات کتوں سے ہمیشہ کشیدہ ہی رہے ہیں مگر قسم لے لیجئے کبھی جو کسی کتے پر ہاتھ اٹھایا ہو۔

کیونکہ ہاتھ اٹھانے کا تو موقع ہی نہیں آیا۔ کتے پر نظر پڑتے ہی ہمارا جسم خود بخود "بریک ڈانس" کرنا شروع کر دیتا ہے کہ مائیکل جیکسن بھی کیا کرتا ہو گا۔ اور اس ڈانس کو دیکھ کر کتے اکثر ہم پر رحم کھا کر ہمارا پیچھا چھوڑ دیتے تھے۔ مگر یہ کتا تو واقعی کتا ثابت ہوا، جس پر ہمارے والہانا ڈانس کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اس لئے ہم نے عافیت اسی میں جانی کہ یہاں سے بھاگ چلیں۔ اور پھر ہم ایسا بھاگے کہ اگر اولمپک مقابلوں میں حصہ لیتے تو پہلا انعام بھی اپنا تھا۔ مگر کتا بھی شاید ورلڈ چمپئین رہ چکا تھا۔ اس نے ہماری پتلون کا ایک پائنچہ اس پیار سے منہ میں دبایا کہ جیسے اس کی پسندیدہ غذا یہی رہی ہو، اس سے اگلا مرحلہ ہماری نازک ٹانگ کا تھا۔ جس پر اکثر اوقات گھر میں یوں تبصرہ ہوتا تھا کہ "شرجیل میاں اگر تمہیں کبھی لڑنا پڑ جائے تو انہی ڈنڈوں کو استعمال کرنا۔ کیا یاد کرے گا تمہارا مخالف بھی۔" ہماری بہن کہا کرتی تھی "بھیا" آپ کو پتہ ہے کہ آپ کی یہ ٹانگیں کتنے کام کی ہیں۔ ان سے بھاگا بھی جا سکتا ہے، ان سے لڑا بھی جا سکتا ہے۔ اور یہ کپڑے لٹکانے کے کام بھی آ سکتی ہے۔" بس پھر کیا تھا انہی ڈنڈوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے ڈر سے ہم اتنا تیز بھاگے کہ کتا ہم سے ہار گیا۔ آخر ایک دروازے کے سامنے جا رکے اور زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ اندر سے جو صاحب نکلے انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی "چور چور" کا شور بلند کر دیا۔ اس سے پہلے کہ لوگ اکٹھے ہوتے۔ ہم نے اپنی تمام

کہانی انہیں گوش گزار کی۔ ثبوت کے طور پر اپنی پتلون بھی دکھائی جواب نیکر کہلانے کی پوری طرح مستحق تھی۔

اور اپنے چچا کے بارے میں بتایا جن کی ہم تلاش میں تھے۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے وہی صاحب ہمارے چچا نکلے۔ قد میں تو ہم شروع سے ہی کوتاہ قد ہیں۔ اور ہمارے چچا عالم چنا کے نائب۔ اس لئے گلے ملنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔

اس کے بعد نہ جانے کتنے دن تک ہمیں یہی خواب نظر آتے رہے کہ بے شمار کتے ٹانگوں سے لپٹے ہوئے ہیں اور جانے نہیں دیتے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ پاؤں چار پائی کی ادوائن میں پھنسا ہوا ہے۔

اب جناب طے یہ ہوا کہ کالج میں پڑھیں گے اور چچا کے ہاں رہیں گے۔ خیر چچا کے ہاں رہنا شروع کر دیا۔ اور کوشش کرتے رہے کہ ہر کام چچا کی مرضی کے مطابق ہو مگر وہ چچا ہی کیا جو کبھی مطمئن ہو جائیں۔ قمیض کتنی لمبی ہونی چاہئے۔؟ شلوار کے پائنچے بڑے نہیں ہونے چاہئیں۔ کالر درست ہونا چاہئے۔ بال کتنے لمبے رکھے جائیں۔؟ یہ سب چچا کے حکم پر ہوتا۔ ایک روز کہنے لگے "میاں صاحب زادے یہ تمہاری مونچھوں کا ایک بال کم ہے وہ کہاں گیا؟"

اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ چچا کے فرائض میں ہماری چھوٹی سی شیر خوار مونچھوں کے بال گننا بھی شامل ہے۔ چچا کو تو اس وقت ہم نے کسی نہ کسی طرح مطمئن کر دیا لیکن اس دن سے ترکیبیں سوچنے لگے کہ گھر جا کر ہاسٹل کی خوبیاں اور چچا کی خامیاں کس طرح سے والد محترم کے حضور پیش کی جائیں۔ چناں چہ جب گھر گئے تو چند مختصر مگر مؤثر تقریریں اپنے ذہن میں تیار رکھیں۔ گھر والوں کو ہاسٹل پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہاں کی آزادی نوجوانوں کے لئے بے حد نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہزار ہا واقعات ایسے گھڑے کہ جن سے گھر والوں کے دل میں ہاسٹل کے بارے میں نرم گوشہ پیدا ہو سکے۔ سپرنٹنڈنٹ کے ظلم و جبر کے چند مثالیں نہایت دردناک انداز میں پیش کیں۔ ایک ٹھنڈی سی آہ بھر کے ایک فرضی مصور کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن شام کے وقت بے چارہ کوئی کام کرنے کے بعد ہاسٹل واپس آرہا تھا کہ چلتے چلتے پاؤں میں موچ آگئی۔ دو منٹ دیر سے پہنچا صرف دو منٹ (ہم نے دو منٹ پر زور دیا) بس جناب پھر کیا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے تار دے کر والد صاحب کو بلوایا۔ پولیس کو تفتیش پر لگا دیا اور مہینے بھر کے لئے جیب خرچ بند کر دیا۔" ہمارا خیال تھا کہ یہ واقع سن کر گھر والے ہاسٹل میں ڈسپلن کے قائل ہو جائیں گے اور ہمیں ہاسٹل میں بے چون وچرا داخل کروا دیں گے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا۔ والدہ بولیں "اجی رہنے دو۔ قہر خدا کا۔ اگر کبھی ہمارے بیٹے کو دو منٹ دیر ہو گئی تو پھر وہاں موا سپرنٹنڈنٹ گھر تار بھیج دے گا۔ اب روز روز کون

کرایہ خرچ کر کے جائے اور معافیاں مانگے۔" والد صاحب کہاں پیچھے رہنے والے تھے کہنے لگے ہم شریف لوگ ہیں ہم ہر گز ہر گز یہ نہیں چاہیں گے کہ ہمارا واسطہ پولیس سے پڑے۔ اور پھر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اتنی سی بات پر تمہارا خرچ بند کر دیا جائے۔

ہمارا یہ وار بھی ناکام ہوا۔ واپس آکر چچا کے حضور حاضری دی۔ اب تو محلے کے کتوں سے بھی کافی واقفیت پیدا ہو گئی تھی۔ جہاں پر ہمیں دیکھتے کچھ دور ساتھ چلتے اور پھر بڑے ادب سے دم اٹھا کر سلام کرتے۔

اگلی بار ہم گھر گئے تو پھر نئے دلائل تیار کئے اور ابا جان سے اس موضوع پر بحث کی کہ ہاسٹل میں رہنے سے آدمی کی شخصیت ابھرتی ہے۔ اس کی شخصیت کو چار نہیں چھ چاند لگ جاتے ہیں۔ اس کی شخصیت زبردست قوتوں کی مالک بن جاتی ہے۔ اس کی شخصیت کے پوشیدہ پہلو نکھرتے ہیں۔ وغیرہ۔

کچھ دیر تو ابا جان خاموشی سے ہماری گفتگو سنتے رہے مگر جب یہ زیادہ ہی ثقیل ہونے لگی۔ تو ہم سے پوچھنے لگے۔ "آخر تمہارا شخصیت سے کیا مطلب ہے؟" ہم اس ناگہانی سوال کے لئے ہر گز تیار نہ تھے۔ اس لئے عرض کی "ابا جان شخصیت، شخصیت ہی ہوتی ہے۔ دیکھئے نا جیسے ایک طالب علم کالج میں پڑھتا ہے اب ایک تو اس کا دماغ ہے ایک اس کا جسم جیسے ان دونوں کی نشوونما ضروری ہے بالکل ایسے ہی اس کی شخصیت کی نشوونما بھی بہت ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟" ابا جان نے نہایت معصومیت سے پوچھا۔

"ٹھہریئے ایک منٹ میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

ایک منٹ کی بجائے انہوں نے مجھے پورا ایک گھنٹہ دیا۔ جس کے دوران وہ خاموشی سے میرے جواب کا انتظار کرتے رہے مگر...... اور اس کے بعد ہم خود ہی وہاں سے اٹھ کر آ گئے اگلے روز پھر ہم نے دلائل دینے کی کوشش کی کہ جناب ہاسٹل میں رہنے سے آدمی کا چال چلن ٹھیک ہو جاتا ہے۔

"مگر جہاں تک میرا خیال ہے تمہارا چال چلن بالکل ٹھیک ہے۔ اور اگر مزید بہتر بنانا ہے تو تمہارے چچا کو میں آج ہی لکھ بھیجتا ہوں کہ مزید توجہ دیجئے۔" ابا جان بولے مگر اس سے زیادہ ہم کچھ نہ سن سکے کہ ہماری تمام حسیں چچا کے نام پر ہی کام کرنا چھوڑ گئی تھیں۔

ساتھیو اب آپ ہی ہمارے گھر والوں کو سمجھایئے کہ ہمیں بھی چند دن آزادی سے گزار لینے دیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم تھوڑا سا بگڑ ہی جائیں گے نا تو اس سے ان کا کیا بگڑ جائے گا !

قابلِ اعتماد۔ غذائیت سے بھرپور

دیسی گندم کا آٹا

کپڑے اور کاغذ کے تھیلوں میں
ممتاز اسٹورز اور یوٹیلٹی اسٹورز
پر دستیاب ہے۔
کراچی میں

کپڑے کے
تھیلوں میں دیسی گندم
کا آٹا پیش کرنے کا سہرا سب سے
پہلا اشرف ہمارے ادارے
کو جاتا ہے
اشرفی برانڈ
آٹا سے پکائی ہوئی روٹی نرم
اور ملائم رہتی ہے کیونکہ ہم
خودکار مشینوں پر اعلیٰ درجے
کی دیسی گندم سے آٹا تیار
کرتے ہیں۔ انہیں میدہ اور
سوجی پوری مقدار میں شامل
ہوتے ہیں۔ جو کہ آٹے میں
غذائیت کا جزو اعظم ہیں۔
اب انٹرنیشنل کاغذی پیکنگ
میں بھی دستیاب ہے
اشرفی
برانڈ آٹا ۲۵ سال سے
اعلیٰ معیار کی ضمانت

کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو
ہم نے تمہیں
عطا کی ہیں۔ (القرآن)

ماہانہ گھریلو خریداری میں سرِفہرست

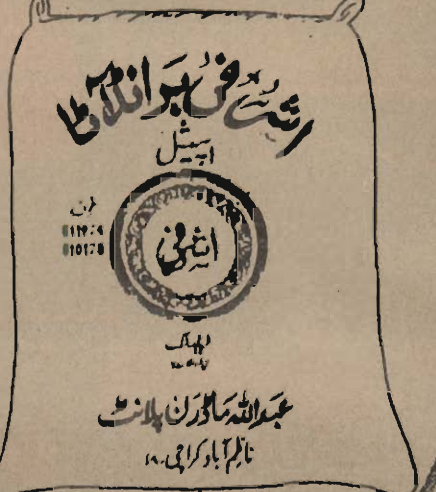

اچھی صحت، خدا کی نعمت

جادوئی گولہ گھر گھر بولا

ریحانہ منیر

ملکہ ایلزبتھ دوئم کی رسم تاج پوشی کی تقریب ٹیلی کاسٹ کی جارہی ہے

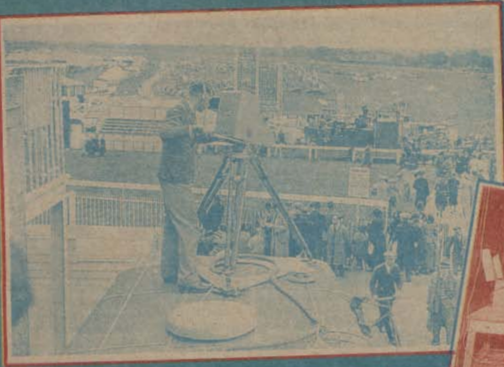

جون ۱۹۳۱ء میں پہلی مرتبہ اپسم (انگلستان) کے مقام پر ہونے والی گھڑ دوڑ ٹیلی کاسٹ کی گئی۔

ٹیلی ویژن کے موجد جان لوگی بیئرڈ اپنے بنائے ہوئے ٹی وی سیٹ پر پہلا انسانی عکس دیکھ رہے ہیں۔

موسیقی کے پروگرام کے پروڈیوسر ریکارڈنگ کرتے ہوئے۔

نیوز روم میں کام میں مصروف عملہ۔

بچپن میں کہانیوں میں پڑھا کرتے تھے کہ جادوگر کے پاس ایسا جادوئی گولہ ہوتا تھا جس میں وہ جب چاہے دور دراز کا ہر منظر دیکھ سکتا ہے۔ لیکن آج کل یہ جادوئی گولا گھر گھر بول رہا ہے۔ جی ہاں آپ صحیح سمجھے،

ہم ٹیلی ویژن ہی کی بات کر رہے ہیں۔ وہی ٹیلی ویژن جس پر آپ مزے مزے کے کارٹون، اچھے اچھے ڈرامے، رسیلے گیت، جوشیلے میچ، بھانت بھانت کی خبریں اور نہ جانے کیا کیا، ہر روز ہی دیکھتے ہیں۔ اب یہ بتانا کہ ٹی وی جان لوگی بیئرڈ نے ایجاد کیا تھا اور مارکونی اس کی ترقی میں معاون ثابت ہوا، ایک پرانی بات ہے۔ البتہ اس کی عہد بہ عہد ترقی کا تھوڑا بہت جائزہ لے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

۱۹۲۶ء میں جان لوئیؔ نے چینی کے پرانے ڈبوں اور سائیکل کے پُرزوں سے جو ٹی وی بنایا تھا اس پر سب سے پہلے ایک انسانی ہاتھ کی شبیہ کو دیکھا گیا اور پھر اس مفید ایجاد کو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ مسلسل محنت سے ٹی وی نے اتنی ترقی کر لی کہ ۱۹۳۲ء میں بی بی سی سے اس کی آزمائشی نشریات کا آغاز کر دیا گیا۔ ویڈیو کیمرے کی ایجاد نے اس میڈیم کو مزید بہتر بنایا اور زیادہ بہتر تصاویر حاصل ہونے لگیں۔ پہلے ٹی وی اسٹیشن "الیگزینڈرا پیلس" کے اطراف کے لوگ ٹی وی پروگراموں سے خوب محفوظ ہو رہے تھے۔ انسانی محنت کے باعث ٹی وی کی "جسمانی" اور "روحانی" ترقی روایتی انداز میں ہو رہی تھی کہ دو ایسے واقعات ہوئے جنھوں نے ٹی وی کی اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ اور ساری کی ساری دنیا اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ یہ واقعات تھے دوسری جنگ عظیم اور ملکہ ایلزبتھ دوئم کی رسم تاج پوشی۔ برطانیہ کے علاوہ بھی دیگر ممالک رسم تاج پوشی کی تقریب کو براہ راست دیکھنا چاہتے تھے۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے انہوں نے دھڑا دھڑ ٹی وی سیٹ خریدے۔ تاج پوشی کی تقریب ۳ جون ۱۹۵۳ء کو ادا کی گئی۔ اس سے قبل قریباً دس ہزار گھروں میں ٹی وی سیٹ موجود تھے۔ لیکن ۱۹۵۴ء کے اختتام تک یہ تعداد بڑھ کر چھیالیس لاکھ گھروں تک جا پہنچی تھی۔ اسی زمانے میں رنگین ٹیلی ویژن بھی متعارف ہوا۔ آج ٹی وی کے ناظرین کی تعداد اربوں میں ہے۔ ہم سب لوگ شوق سے ٹی وی دیکھتے ہیں۔ اس کے پروگراموں سے محظوظ ہوتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ یہ پروگرام کیسے بنتے ہیں اور کون کون افراد کیا کیا کام کرتے ہیں۔ چلئے ہم آپ کو مختصراً یہ بھی بتا دیتے ہیں۔

سب سے پہلا کام پروگرام ڈیوائزر کا ہوتا ہے۔ وہ نئے نئے آئیڈیئے سوچتا ہے ان کے لئے پیپر ورک کرتا ہے۔ ان کی کامیابی یا ناکامی کے

امکانات کا جائزہ لینے کے لئے ریسرچ کرتا ہے۔
ریسرچر عام طور پر عوام سے سروے کرتے ہیں اور رائے عامہ کا اندازہ لگا کر پروگرام ڈیوائزر کو بتاتے ہیں۔ ٹی وی پر دکھائے جانے والے کسی بھی پروگرام کی تمام تر ذمہ داری پروڈیوسر پر ہوتی ہے وہ گویا ٹیم کا لیڈر ہوتا ہے۔ (ہمارے ہاں پروگرام ڈیوائزر بھی پروڈیوسر ہی ہوتے ہیں) مصنف، اداکار، کیمرہ مین، سیٹ ڈیزائنر وغیرہ سب اسی سے ہدایت لیتے ہیں۔ خبروں کے پروگرام کے پروڈیوسر کو ایڈیٹر بھی کہا جاتا ہے۔

پروڈکشن اسسٹنٹ (پی اے) کا کام جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے پروڈیوسر اور ہدایت کار کی اسٹوڈیو میں اور سیٹ پر مدد کرنا ہوتا ہے۔ فلم یا ویڈیو ٹیپ کی فراہمی، پروگراموں کی مینجمنٹ، ان کی ٹائمنگ، آغاز اور اختتام کا حساب رکھنا، سب پی اے کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ پروگرام کی ریکارڈنگ یا براہ راست ٹیلی کاسٹنگ کے دوران پی اے کنٹرول روم میں بیٹھتا ہے۔ پروگرام کا پورا اسکرپٹ اس کے پاس ہوتا ہے۔ وہ کنٹرول روم میں لگے مختلف ٹی وی سیٹوں پر مختلف کیمروں سے لی جانے والی تصاویر کو دیکھتا ہے اور موقع پر ہی ہدایات جاری کرتا ہے جنہیں اسٹوڈیو، اور ساؤنڈ اینڈ ویژن روم کے تمام اہل کار ہیڈ فون کے ذریعے براہ راست سنتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

دو مختلف کیمروں سے لے جانے والی تصاویر کو ملانے یا ایک تصویر سے دوسری تصویر کو اجاگر کرنے کا کام ویژن مکسر کرتا ہے۔

میک اپ کے بغیر اسٹوڈیو لائٹس کا سامنا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح چہرہ یا تو بہت پیلا دکھائی دیتا ہے یا بہت سرخ۔ پھر نارمل جلد کے لئے روشنیاں نقصان دہ بھی ہوتی ہیں۔ میک اپ مین کا کام منظر کی ضرورت کے مطابق اداکاروں کے چہروں کا میک اپ اور لباسوں کی ترتیب ہوتا ہے۔ پروگرام کی ریکارڈنگ کے دوران میک اپ مین ہر لمحے وہاں موجود رہتا ہے۔

وارڈ روب اسسٹنٹ کا کام، وگ، خاص لباس اور دیگر اشیا کی حفاظت اور بعض اوقات خریداری بھی ہوتا ہے۔

منظر کی ضرورت کے مطابق سیٹ ترتیب دینا سیٹ ڈیزائنر کی ذمہ داری ہے۔

ہم گھروں میں ڈراموں یا موسیقی کے پروگراموں کو جس طرح مسلسل ترتیب سے ٹیلی کاسٹ ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت کچھ غلط اور بار بار ریکارڈ ہوتا ہے۔

یہ غلطیاں "ایڈیٹر" دور کرتا ہے اور ہم صرف وہ پروگرام دیکھتے ہیں جو بالکل صحیح اور ٹو دی پوائنٹ ہوتا ہے۔

بعض اوقات ٹی وی پر ایسے عجیب مناظر بھی پیش کئے جاتے ہیں کہ ایک دیو قامت چوہا ایک بہت چھوٹے سے بونے کے مقابل کھڑا ہے۔ یہ بھی دراصل دو مختلف کیمروں سے لی جانے والی

تصاویر کو مکس کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اس تیکنیک کو "کرومیکی" کہتے ہیں۔ ایک کیمرے سے کسی چیز کا کلوز اپ لیا جاتا ہے اور دوسرے کیمرے سے بہت دور سے تصویر لی جاتی ہے اور پھر دونوں کو مکس کر کے ٹی وی پر دکھایا جاتا ہے۔

سٹلائٹ کی ایجاد نے زمینی فاصلوں کو محدود کر دیا ہے۔ اب دنیا کے ایک سرے پر ہونے والے کسی بھی پروگرام کو براہ راست دنیا کے دوسرے سرے پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ٹی وی کی اس قدر ترقی سے انسانی ذہن حیران ہے کہ اس سے زیادہ ترقی کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن ترقی کے امکانات کبھی بھی معدوم نہیں ہوتے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

اسے پلو سے باندھ لیجئے

اپنی تحریر بھجواتے ہوئے یا ہمیں خط لکھتے ہوئے اپنا پتہ لفافے کی پشت پر لکھنے کو کافی نہ سمجھئے۔ اپنے ہر خط اور اپنی ہر تحریر کے پیچھے اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

ادارہ آنکھ مچولی

اپنے دوستوں کو آنکھ مچولی کا تحفہ دیجئے

آپ کے ایسے دوست جو آنکھ مچولی پڑھنا چاہتے ہوں لیکن اسے خریدنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، آپ انہیں آنکھ مچولی کا تحفہ مفت پیش کر سکتے ہیں آپ ان کا نام اور پتا نیچے دیے ہوئے کوپن میں لکھ کر ہمیں بھیج دیجئے۔ ادارہ ان میں سے بذریعہ قرعہ اندازی دس ساتھیوں کو اپنا ممبر بنالے گا اور انہیں ایک سال کے لئے آنکھ مچولی مفت جاری کر دیا جائے گا۔ اس طرح آپ ایک نیک کام کریں گے اور ادارہ آنکھ مچولی کو بھی ایک نیک کام کرنے کا موقع فراہم کریں گے۔

کوپن برائے تحفہ آنکھ مچولی

میرے دوست کا نام: ______________ کلاس: ______________

گھر کا پتا: ______________________________

بنام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوں کے جواب

سید بہاؤالدین، کراچی۔ نئے سال کے شمارے کا سرورق خوبصورت تھا۔ خاص طور پر اسلامی مضمون "رسول اللہ کے چہیتے غلام" بہت پسند آیا۔ "عمل سے زندگی بنتی ہے" "سچ بولنے والے جوتے" اور "اور چونچ ٹوٹ گئی" اچھی کہانیاں تھیں۔ پاکٹ کیلنڈر کا تحفہ اچھا لگا۔ **محمد عثمان، ثروت ہما، کراچی۔** سرورق بہت پسند آیا۔ "چھوٹی سی جنت" "دوسرا جسم" "مس تو میں ہوں" بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ **عاصم، عظمیٰ، کراچی۔** "آمنے سامنے" کا سلسلہ اچھا جا رہا ہے۔ پیارے سے آنکھ مچولی میں کہانی لکھنے کے لئے صفحہ ایک طرف سے سادہ چھوڑنا کیا ضروری ہے؟ ○ ......جی ہاں صفحے کے ایک طرف صاف اور خوشخط لکھئے۔ **فیصل احمد خان، کراچی۔** سرورق اتنا خوبصورت تھا کہ بک اسٹال پر رکھے تمام رسائل میں الگ ہی نظر آرہا تھا۔ بے باک، نڈر صحافی صلاح الدین کے بچھڑنے کا بہت دکھ ہے وہ مجھے اس وقت سے پسند ہیں جب انہوں نے فروری ۸۸ء کے شمارے میں امی ابو کا صفحہ لکھا تھا۔ اللہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین...... **محمد سلیم خان، کراچی۔** شمارہ دیر سے ملا لیکن پڑھ کر خوشی ہوئی۔ کہانیاں تقریباً سب ہی اچھی تھیں البتہ رنگین صفحات کی کمی محسوس ہوئی۔ **مقصود زلاند، کوئٹہ۔** نظمیں، مضامین اور کہانیاں معیاری تھیں۔ رسالہ دو دن میں ختم کر ڈالا۔ **عباس، اعجاز، آمنہ، کراچی۔** "بزدل" "دوسرا جسم" "مس تو میں ہوں" اور "وہ کیا راز تھا" اچھی کہانیاں تھیں۔ قلم دوست میں "ایک تھے جھگڑالو میاں" اور "منزل ہے کہاں میری" پسند

آئیں۔ مطاہر خان، رحیم یار خان۔ سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ "وہ کیا راز تھا" بہت اچھی چل رہی ہے۔ مجموعی طور پر شمارہ بہت پسند آیا۔ عظمیٰ یلیین، کراچی۔ آنکھ مچولی کی کہانیاں مزے دار ہوتی ہیں۔ "وہ کیا راز تھا" بہت پسند آئی۔ جمیل بشیر احمد، حیدر آباد۔ جنوری کا شمارہ بہت ہی خوبصورت تھا۔ "سوتا جاگتا" "چھوٹی سی جنت" اور نظم "تنہا جو سجاتے ہیں خوشیوں کے میلے" بہت اچھی لگیں۔ محمد عارف آکاش، بلوچستان۔ پہلی بار آنکھ مچولی پڑھا سب کہانیاں لاجواب تھیں۔ عرفان محمد حسین، کراچی۔ "سوتا جاگتا" کی پہلی قسط پڑھی۔ یہ کہانی میں پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔ عادل منہاج کی "دوسرا جسم" بہت اچھی تحریر تھی۔ لگتا ہے عادل کے پاس جادوئی چراغ کا جن ہے جو انھیں کہانیوں کے آئیڈیے بتاتا ہے۔ ○ ..... سب سے بڑا جن انسان کا دماغ ہے بشرطیکہ اسے کام میں لایا جائے۔ عالیہ غلام نبی، نواب شاہ۔ تازہ شمارہ بہت بھایا۔ پاکٹ کیلنڈر کا تحفہ لاجواب تھا۔ محمد اجمل انصاری، کراچی۔ سرورق سائنس فکشن پر بنوائیے۔ "دوسرا جسم" کوئی خاص کہانی نہیں تھی۔ "چھوٹی سی جنت" بھی پرانے موضوع پر تھی۔ جواہر، کندھ کوٹ۔ جنوری کا آنکھ مچولی بہت خوبصورت تھا۔ انکل "قلم دوست" کے کچھ صفحات بڑھا دیجئے۔ ○..... آپ کی فرمائش پوری کی جارہی ہے۔

رضوان اللہ خان، سکھر۔ تازہ شمارے کی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ ضیغم حمیدی صاحب کی نظم پسند آئی۔ آپ نے نامور شخصیات کے بارے میں مضامین کا نیا سلسلہ شروع کر کے اچھا قدم اٹھایا ہے۔ ان علمی و ادبی شخصیات کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔ احمد عثمان، جہلم۔ آنکھ مچولی پڑھا..... بہت اچھا لگا۔ رباب، حمزہ، کراچی۔ جنوری کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ساری کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ نور حسین مری، میرپور خاص۔ سرورق نہایت شاندار اور خوبصورت لگا۔ مضامین اور کہانیاں بہت پسند آئیں۔ مدثر احمد، کراچی۔ نئے سال کا آنکھ مچولی خوبصورت کیلنڈر کے ساتھ ملا بہت اچھا لگا۔ عامرہ خالق، ایبٹ آباد۔ ہر نظم ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ "وہ کیا راز تھا" میں ہر قسط کے ساتھ تجسس بڑھتا ہی جارہا ہے۔ فہد، کراچی۔ قسط وار ڈرامہ "سوتا جاگتا" بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں "مس تو میں ہوں" "چونچ ٹوٹ گئی" اور "وہ کیا راز تھا" پسند آئیں۔ "وہ کیا راز تھا" کی آخری قسط کب شائع ہوگی؟ ○..... یہ قسط وار کہانی اپنے انجام کی طرف رواں دواں ہے۔ طیبہ ظہیر، لاہور۔ آنکھ مچولی باقاعدگی سے پڑھتے ہیں شمارے کی کہانیاں اور نظمیں پسند آئیں۔

عدیل احمد عدی، کراچی۔ پچھلے چند مہینوں سے مہنگائی حد درجہ بڑھ گئی ہے۔ سبزی سے لے کر گوشت گھی، دودھ اور قلم دوات سے لے کر کاغذ تک کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ حکومت سے درخواست ہے کہ وہ مہنگائی کو کنٹرول کریں۔ اسما یونس، کراچی۔ خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے رسالے میں بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ تازہ شمارے میں "مس تو میں ہوں" "بزدل" اور "رسول اللہ کے چہیتے غلام" بہت اچھی کاوشیں تھیں۔ وکیل احمد خان، بہاولنگر، چمکتا دمکتا شمارہ ذرا لیٹ ملا۔ کہانیاں سب خوبصورت تھیں۔

بابر زمان، کراچی۔ "دوسرا جسم" "وہ کیا راز تھا" "مس تو میں ہوں" "فرصت نہیں ہے" اور "کراچی خون میں ڈوبا ہوا ہے" بہت پسند آئیں۔ عقیل مراد، تربت۔ آنکھ مچولی میں تحریریں شائع کرانے کی فیس کتنی ہوتی ہے ذرا بتا دیجئے! ○..... بھئی اس کے برعکس آنکھ مچولی تحریریں شائع ہونے کے بعد لکھنے والے کو فیس ادا کرتا ہے البتہ تحریر چھپنے کے

لئے ان کا دلچسپ ہونا شرط ہے۔ **عمران شوکت، لاہور۔** آنکھ مچولی پڑھا۔ تمام تحریریں اچھی تھیں۔ میں راحت صلاح الدین کا بڑا پرستار ہوں۔ ان کی تحریریں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ **صفیہ ظفر الحق، حافظ آباد۔** بہت خوب صورت سا ٹائٹل بچوں کے لئے مناسب۔ "ماہ رواں کی پہلی بات" "سنہرے حروف" دل میں اتر جانے والی تحریریں، جادو بھری کہانیاں دلچسپ خطوط۔ قلم دوست میں "آٹو گراف" "جلیبیاں" "مجھے یہ شعر پسند ہے" جیسے اچھے سلسلے...... میرے خیال میں تو ان میں سب سے اچھی تحریر پر انعام بھی ہونا چاہئے۔ **محمد ریاض، طارق، جیکب آباد۔** آنکھ مچولی میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ **محمد طاہر، سعید احمد، جیکب آباد۔** "آمنے سامنے" اور "شعری سلسلہ" بہت اچھے ہیں۔ **فیصل احمد خان، کراچی۔** آنکھ مچولی میں جتنی خوبیاں ہیں اتنی خامیاں بھی۔ انہیں خامیوں کی نشاندہی کر رہا ہوں امید ہے کہ توجہ دے کر شکریئے کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ ○...... آپ کا طویل خط تو نہیں چھاپ سکتے آپ نے جن خامیوں کی طرف توجہ دلائی نوٹ کر لی گئی ہیں۔ تجاویز ارسال کرنے کا بے حد شکریہ! **شکیلہ تبسم، حافظ آباد۔** مجھے آنکھ مچولی بے حد پسند ہے اس کی تحریریں، نظمیں، کہانیاں، چٹکلے اور چھوٹی چھوٹی باتیں نصیحت آموز اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ **حسن، محمد محسن، جہلم کینٹ۔** کہانیاں پسند آئیں۔ **اطہر، عبدالرشید، عابد، (؟)۔** آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کر رہے ہیں۔ "وہ کیا راز تھا" کی اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ **غلام ربانی بھٹی، نواب شاہ۔** آنکھ مچولی شوق سے پڑھتا ہوں۔ کچھ لطائف ارسال کر رہا ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ ○...... بھئی لطائف نے تو ہمیں مایوس کیا...... آپ جلدی سے دوسرے نئے اور دلچسپ لطائف روانہ کیجئے۔ **عمران عبدالمجید (ایک غریب لڑکا)، کراچی۔** آپ کہانیوں کا معاوضہ کتنا دیتے ہیں۔ انعامی کوپن، بھیج رہا ہوں مجھے تحفہ ملے گا یا نہیں؟ ○...... بھائی عمران! جس کے پاس ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، زبان ہو وہ کبھی غریب نہیں ہوتا۔ قرعہ اندازی میں آپ کا نام آ گیا تو انعام مل جائے گا ورنہ آگے آپ کی قسمت رہی کہانیوں کے معاوضے کی بات تو آپ ابھی خوب پڑھیں لکھیں آپ کو ابھی محنت کی ضرورت ہے۔ **ارشد محمود (؟)** میں ہر ماہ آنکھ مچولی پڑھتا ہوں مجھے یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ **شہزاد اعوان، نواب شاہ۔** انکل! پہلی بار محفل میں شرکت ہونے کی گستاخی کر رہا ہوں۔ **سید حسن رضا، اٹک۔** "سوال یہ ہے" کا سلسلہ بہت اچھا ہے اسے جاری رکھیں۔ **راحیلہ، الماس، کراچی۔** آپ نے میری اور میری بہنوں کی تحریریں شائع نہیں کیں، آخر کیوں؟ ○...... آنکھ مچولی میں دلچسپ اور معیاری تحریریں شائع ہوتی ہیں آپ ایسی تحریریں ارسال کیجئے۔ **شاہینہ، رفعت، وقار، کراچی۔** آپ نے جواب نہ دیا تو ہم آپ کو پھر کبھی خط نہیں لکھیں گے۔ **مسرت حسین، لودھراں۔** خطوط ڈھونڈنے اور پڑھنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ترتیب درست نہیں ہوتی۔ ○...... ہمارے خیال میں تو ایسا نہیں ہے۔ **راشد آدم، سونمیانی۔** تعریف میں خط نہیں لکھ رہا کیونکہ تعریف سے پورا رسالہ بھرا ہوتا ہے۔ **حافظ حذیفہ صدیقی قادری، ملتان۔** شمارہ پسند آیا۔ کہانیاں اچھی تھیں۔ **رانا محمد شاہد، بورے والا۔** انکل! گزارش ہے کہ آپ ردی کی ٹوکری میں "سنڈافاس" کا اسپرے کر دیں...... میری تحریروں کا کیا بنا۔ ○...... آپ کی تحریروں پر ردی کی ٹوکری نے "سنڈافاس" کا اسپرے کر دیا ہے اب آپ کوئی اور معیاری دلچسپ سی تحریر روانہ کیجئے۔ **وسیم شوکت، گوجرانوالہ۔** کہانیاں بہت اچھی تھیں، پسند آئیں۔ **پرنس عرفان، لنگڑیال۔** آنکھ مچولی کا سرورق ہمیشہ کی طرح خوبصورت اور دلکش تھا۔ قسط وار کہانی کا ہر ماہ شدت سے انتظار رہتا ہے۔ **رابعہ گل، ملتان۔** میں آپ کا رسالہ عرصے

سے پڑھ رہی ہوں۔ یہ بچوں کا سب سے بہتر رسالہ ہے۔ **آر ایم راشد، ساہیوال۔** اگر یہ خط شائع نہ کیا تو آنکھ مچولی پڑھنا چھوڑ دوں گا۔ **محمد کاشان خان، یوسف زئی، کراچی۔** نومبر کے پرچے میں سب سے بہتر کہانی "کٹی پتنگ" تھی۔ مصنف کو میری طرف سے مبارک ہو۔ **آصف نصراللہ حسین، کراچی۔** نومبر کے شمارے میں "سونے کا شیر" نامی تحریر نقل شدہ ہے۔ یہ "پتھر کا شیر" کے نام سے پہلے بھی چھپ چکی ہے۔ ○ ...... آصف صاحب! آپ اس کہانی کا تراشہ ثبوت کے طور پر بھیج دیجئے تاکہ کوئی کاروائی کی جاسکے۔ **اسد اللہ منگی، رتوڈیرو۔** مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ میرا خط شامل نہیں کرتے۔ ○ ...... اور ہمیں یہ شکایت ہے کہ آپ کے خطوط اکثر و بیشتر چھپتے رہتے ہیں۔ **لیاقت زمان، سو بیؔ (صوابی)** اس بار تمام کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں۔ **عاصم شیخ راجن پور۔** میں نے محسوس کیا ہے کہ پہلے رنگین صفحات زیادہ ہوتے تھے۔ اچھی اچھی کہانیاں پڑھنے کو ملتی تھیں۔ سائنسی اور معلوماتی مضامین ہوتے تھے۔ سرورق عمدہ ہوا کرتا تھا اور قیمت بہت کم تھی لیکن اب کوئی بھی خوبی آنکھ مچولی میں نہیں۔ آپ اسے پہلے جیسا بنانے کی کوشش کیجئے۔ **ساجد، پسنی۔** اس بار آپ نے میری تحریر نہ چھاپی تو میں آکر ردی کی ٹوکری کو لے جاؤں گا ○ ...... بھائی ساجد! ردی کی ٹوکری کو صرف غیر معیاری تحریریں ہی پسند ہیں۔ آپ ہماری پسند کی تحریریں ارسال کریں۔ **شاہد الرحمٰن چوہدری۔** تمام نظمیں خوب تھیں۔ **ثاقب عباس، وڈرائچا نوالہ۔** آنکھ مچولی ایک دلچسپ اور معلوماتی رسالہ ہے۔ **منیر احمد فردوس ڈیرہ اسماعیل خان۔** میری نظموں اور کہانیوں کا کیا بنا؟ ○ ...... برادر! آپ دلچسپ اور معیاری تحریریں ارسال کیجئے۔ **ضماد بن اعجاز، ملتان۔** سرورق بہت خوبصورت تھا کہانیاں لاجواب تھیں لیکن لطیفے اکثر پڑھے ہوئے تھے۔ "آمنے سامنے" کا سلسلہ بہت اچھا جارہا ہے۔ **محمد بلال، سوات۔** شمارہ پڑھا سبھی تحریریں اچھی تھیں۔ **اعزاز علی، حیدر آباد۔** اس ماہ کا آنکھ مچولی بہت پسند آیا۔ کہانیاں، نظمیں، معلوماتی فیچر سب کچھ بہت اچھا تھا۔ **مسعود احمد سومرو، گڈو۔** آنکھ مچولی میں ہر وہ چیز موجود ہے جو آج کی اہم ضرورت ہے۔ "عکس ادھورے کیجئے پورے" میں آسان شخصیات دیا کیجئے۔ **ملک سجاد حسین سالک، گڈو۔** "بلاعنوان کہانی" کا سلسلہ اچھا جارہا ہے۔ **صائمہ دلدار ہمدانی، جھمرہ سٹی۔** پورے شمارے میں معلوماتی تحریریں زیادہ تھیں جبکہ کہانیاں گنتی کے پہلے حروف میں سے تھیں۔ شعر شائع کرنے کا شکریہ۔ **عائشہ فاروق گبول، راجن پور۔** آنکھ مچولی ہے تو اچھا مگر اتنی جلدی آپ نے قیمت ۱۲ روپے کیوں کر دی؟ ○ ...... اس کی وجہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ **شہزاد اقبال، کراچی۔** رسالہ پڑھتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ **شیر نواز گل، ارمڑ پایان۔** آنکھ مچولی بہت پسند آیا۔ **مظہر اقبال (؟)** سبھی کہانیاں مزے دار تھیں۔ **عابد ارقامی، قلندری گیٹ۔** "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں اشعار خوبصورت تھے۔ **بالاچ بلوچ، پسنی۔** تازہ شمارہ عمدہ سرورق کے ساتھ ملا، بہت پسند آیا۔ کہانیاں سبھی اچھی تھیں۔ **عدیل ستار، کراچی۔** کہانیاں سبھی اچھی تھیں۔ سرورق پسند نہیں آیا۔ **فوزیہ علوی، پٹارو۔** سرورق بہت اچھا تھا۔ **راحیل پرویز، آزاد کشمیر۔** نومبر میں "جگنو کی دم" "پہلی کمائی" اور "ظہران کا فیصلہ" بہت پسند آئی۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

"امتحان ایک وزیر سے" حافظ یحییٰ رشید. حیدر آباد۔ "صرف دولت کی خاطر" (نامعلوم) "آخری قبر" وقاص بدر، گجرات۔ "شرارت کاانجام" اسد علی خان، کراچی۔ "ایک ہی گھر پر رحم" عامر رضا. جھنگ صدر۔ "پیاراپاکستان" فائزہ احمد (؟)۔ "اسکول ترانہ" سید کرم عباس کاظمی. آزاد کشمیر۔ "ننھے سپرمین" عرفان محمد حسین (؟)۔ "دو کراماتی تعویز" شاہ نازبانو (؟)۔ "لالچی بیٹے" فریحہ مظہر. کراچی۔ "میں نہیں جانتا" طاہر ناز انصاری. دینہ شہر۔ "نیا سال" عبدالرؤف روفی، ملتان۔ "علم کی فضیلت" عرفان محمد حسین. کراچی۔ "برسات کاموسم" افتخار احمد شیخ. مورو۔ "خدا" مظفر علی، "رحیم یار خان۔ "گدھا کیڑے اور چاول" شیر نواز گل. پشاور۔ "اسکول" بالاچ بلوچ. پسنی۔ "مسٹر جمعہ خان ان شیرٹن" عبدالقدیر انڈہٹر، پنوں عاقل۔ "قربانی" شیراز طاہر. ایبٹ آباد۔ "مالک اور مالی عائشہ فاروق گبول. راجن پور۔ "شہر کے حالات" ایس ایم آصف حسین، کراچی۔ "حضرت علی کاانصاف" "ایجاد" بیس سال بعد" عظیم اختر میمن، میر پور خاص۔ "آنکھ مچولی" آر ایم راشد، ساہیوال۔ "میراوطن" آصف نصراللہ، کراچی۔ "جگنو" رمیض انور، لاہور۔ "آج کے مسلمان" سلمان احمد، کراچی۔ "اپناوطن" "کشمیریوں کی فریاد" نازش نفیس. کمالیہ۔ "نظم" اسد علی خان، حیدر آباد۔ "ایک حقیقت ایک کہانی" شیخ منیر احمد (؟)۔ "عظیم غلطی" ہماتقوی، گدو۔ "سنگدل" "چین" افضل ساگر، بولان۔ "اٹھ مجاہد وطن" بوبی. لالہ موسیٰ۔ "یہ منہ اور مسور کی دال" رابعہ بصری. ٹنڈووالہ یار۔ "پراناکوٹ" فوزیہ علوی. پٹارو۔ "دفتران کشمیر کے نام" "عالم کی بے حسی" میں نے خواب دیکھا" سیدہ رقیہ کاظمی. واہ کینٹ۔ "تنخواہ" عاصم شہزاد. آزاد کشمیر۔ "نائی گروپ" "نظم" پرنس عرفان. لنگڑیال۔ "مجبوری" "عوام کی خدمت" بختیار احمد، پشاور۔ "حمد" محمد محسن اعظم. مظفر آباد۔ "تیرے بغیر" (غزل) خاکستر. ملتان۔ "خاموش شہزادہ" رضوان زیب، فیصل آباد۔ "چوراشریف کاسفر" منصور قادر، عبدالحکیم کینٹ۔ "نظم" محمد اجمل انصاری. کراچی۔ "نافرمان لڑکے" محمد ریاض لاشاری. جیکب آباد۔ "بچوں کو نصیحت" عدنان عبدالعزیز. کراچی۔ "ہپو یار تنگ نہ کر" لبنیٰ سعدیہ، کراچی۔ "امام اعظم" اشفاق احمد، حیدر آباد۔ سید صولت علی جعفری. حیدر آباد۔ "مجرم کی موت" سیدہ اثمار ارشد، (؟)۔ "عقلمند فاختہ" سید تسنیم اظہر، راولپنڈی۔ کشمیر کی وادی۔ "چھوٹی سی غلطی" محمد آصف، بہاولپور۔ "مرغی آئی" خالد قمر راجپوت. شکارپور۔ "ماحولیاتی آلودگی" حمادالاحد. کراچی۔ "بلاعنوان" محمد عاطف. گجرات۔ "ایسا بھی ہو سکتا ہے" سلمان مراد. کراچی۔

"چمن بچاناہے" اسجد اقبال، گجرات۔ "شیر کا گھر" محمد فواد آصف. ملتان کینٹ۔ "ظالم بادشاہ" قمر بشیر اعوان، کراچی۔ "بدلہ" نعمان احمد خان. کراچی۔ "بچہ اور سانپ" (نامعلوم) "پرائے ہوئے اپنے" عبدالقدیر انڈہٹر، پنو عاقل۔ "نظم" برکت اللہ بلوچ، گوادر۔ "نظم" نوشابہ. حیدر آباد۔ "مینش کہانی" عفت جہاں. پشاور۔ "آخری جوش" محمد شفیق انجم، ملتان۔ "کشمیر" انڈین فلمیں" سلمان مراد، کراچی۔ "نظم" بابو گل جتوئی. حیدر آباد۔ "اسٹار چائلڈ" ساجد محمود، اٹک۔ "آنکھ مچولی" حمیرا چغتائی. نیو ملتان۔ "کمپیوٹر" سید واجد علی. پشاور۔ "شیطان" ثناء اللہ آرائیں، سکھر۔ "بلاعنوان" شیر نواز گل، پشاور "نظم" کامران صادق، جہلم۔ "کیمسٹری کی مس" سرفراز، بہاولپور۔

اب میں کیا کروں

میں ایک بہت بُری عادت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ مجھے امی کے پرس سے، بھائی جان کی جیب سے اور بہنوں کی الماری سے پیسے چُرانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ میں اپنی اس عادت سے تنگ بھی ہوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے اور پکڑے جانے کا خوف بھی رہتا ہے لیکن اسکول میں میرے دوستوں کا حلقہ ایسا ہے کہ اگر پیسے پاس نہ ہوں تو سب کنجوس مکھی چوس کہہ کر مذاق اُڑاتے ہیں۔ ابو مجھے ایک لگا بندھا مہینے کا جیب خرچ دیتے ہیں جو ایک ہفتے بھی نہیں چلتا۔ اگر پیسے نہ چُراؤں تو دوستوں کے پاس کیسے جاؤں۔ ابو جیب خرچ بڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ دوستوں کو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا۔ سوچتا ہوں کہ اگر کسی دن پکڑا گیا تو گھر والوں کے سامنے میری کیا عزّت رہ جائے گی۔ خدارا۔ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں اس الجھن سے کس طرح نکلوں؟

(پ، م، لاہور)

گزشتہ مہینے ایک بچے م الف کا مسئلہ پیش کیا گیا تھا جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد سے اپنے نانا اور نانی کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔ اس شہر میں اس کے والد صاحب بھی رہتے ہیں۔ انہوں نے دوسری شادی کر لی اور کبھی بچے سے ملنے نہیں آئے۔ اب م الف اپنے والد صاحب سے ملنا چاہتا ہے لیکن اسے اندیشہ ہے کہ اس کے اس عمل سے نانا اور نانی کو تکلیف پہنچے گی۔ ایسے میں م الف کو کیا کرنا چاہئے؟ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے قارئین آنکھ مچولی سے مشورہ مانگا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ہمیں خاصی تعداد میں مشورے موصول ہوئے ہیں ان کی جھلکیاں درج ذیل ہیں:

○ ـــ م الف کو اپنے والد سے مل لینا چاہئے کیونکہ وہ ان کی جائیداد کا وارث ہے لیکن اسے اپنے نانا اور

انعام یافتہ حل

میری رائے یہ ہے کہ جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب ماضی پر رونا کوئی فائدہ نہیں دے گا بلکہ پریشانی میں اضافہ کا سبب ہی بنے گا۔ آپ کو آپ کے نانی نانا نے پالا پوسا ہے اور وہ آپ سے اور آپ ان سے مانوس ہو چکے ہیں۔ وہ آپ کو اپنی مرحوم بیٹی کی نشانی سمجھتے ہیں اور اگر آپ اپنے والد صاحب سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں تو یہ آپ کا حق ہے اور آپ کو اپنے والد سے ضرور ملنا چاہئے اس سے آپ کے نانی نانا کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں اگر آپ نانی نانا کو چھوڑ کر والد صاحب کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو میرا مشورہ ہے کہ ایسا نہ کریں کیونکہ اس سے آپ کے نانا نانی کو تکلیف ہوگی کہ انہوں نے اتنے پیار سے آپ کو پالا ہے دوسری طرف آپ کے والد نے دوسری شادی بھی کر لی ہے اس گھر میں آپ کے بہن بھائی اور سوتیلی والدہ بھی ہوں گی جن سے شاید آپ کی نہ بن سکے۔ ہاں آپ اپنے والد سے والدہ سے اور بہن بھائیوں سے ضرور ملیں کہ خدا نے قرابت داروں سے تعلقات جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے قطع نہ کریں اس سے آپ بھی مطمئن رہیں گے نانا نانی بھی اور والد صاحب بھی۔ لیکن اگر والد اور ان کے گھر والوں کے میل ملاقات ان لوگوں کے لئے یا آپ کے نانا اور نانی جان کے لئے کسی الجھن کا باعث ہو تو پھر ملاقات گریز کرنا چاہئے۔ میری یہ دعا ہے کہ خدا آپ کو ذہنی سکون دے اور آپ اپنی الجھن سے پیچھا چھڑا سکیں۔ آمین!

(غلام عباس۔ شاہ فیصل کالونی. کراچی)

نانی کو ناراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کا حق زیادہ ہے۔ (محمد ظفر اللہ ضیا، کمالیہ)

○ــ م الف کو اپنے والد صاحب سے فوراً ملنا چاہئے اور مل کر غلط فہمی دور کر لینی چاہئے۔ نانا اور نانی بھی اسے ملنے سے نہیں روکیں گے۔ (راجہ امتیاز حسین، راولپنڈی)

○ــ م الف کو چاہئے کہ وہ دو تین مہینے نانا اور نانی جان کی خوب خدمت کرے اور باتوں باتوں میں وہ سارے حالات معلوم کرے جن کی وجہ سے اس کے والد نے اسے چھوڑ دیا۔ (سیما عقیل الرحمٰن راجپوت، حیدر آباد)

○ــ م الف کو خط کے ذریعے، یا کسی دوست اور استاد کے ذریعے اپنے والد صاحب سے رابطہ قائم کرنا چاہئے اور انہیں اپنے احساسات سے آگاہ کرنا چاہئے۔ (محمد حیات خان نیازی، راولپنڈی)

○ــ م الف کو میرا مشورہ ہے کہ وہ اپنے نانا اور نانی کو ناراض نہ کریں۔ اگر آپ کے والد کو آپ سے پیار ہوتا تو وہ یقیناً آپ سے ملنے چلے آتے۔ (خالد اسد، ہری پور)

○ــ آپ کو اپنے ابو سے ملنے کا خیال ترک کر دیں، اسی میں آپ کی بہتری ہے۔ (فراز ارشاد، کراچی)

○ ۔اس پریشان حال بچے کو چاہئے کہ اپنے نانا نانی جان سے بات کر کے اپنے والدین کو بھی اپنے پاس بلوائے اور نئی والدہ کو اپنی سگی ماں کی طرح قبول کرے۔ (فیصل احمد خان، کراچی)

○ ۔ آپ کے والد اگر آپ سے ملنے کی ایک بار بھی کوشش کی ہے تو پھر یقیناً وہ آپ سے پیار کرتے ہیں آپ کو ان سے ضرور ملنا چاہئے تاکہ آپ کی تسلی ہو جائے اور ان کے بارے میں غلط خیالات دور ہو جائیں۔ (شہریار علی بخاری، رحیم یار خان)

○ ۔ بچے کو چاہئے کہ نانا نانی کے بڑھاپے کا سہارا بنے۔ باپ سے ملنا چاہے تو ملنے کا شوق پورا کرلے لیکن اگر باپ کو بچے سے محبت ہوتی تو وہ ہرگز اسے نہ چھوڑتا۔ اور اب بچے کو سوتیلی ماں کا سامنا بھی کرنا ہو گا۔ (انیلا نیر فاروق، راولپنڈی)

○ ۔م الف آپ اپنے والد محترم کو خط لکھ کر اسکول میں ملاقات کے لئے بلائیں اور جب ملاقات ہو جائے تو جو کچھ پوچھنا ہے، پوچھ لیں تاکہ دل میں کوئی **خلش** باقی نہ رہے۔ فہد ندیم(؟)

○ ۔ آپ کو اپنے ابو سے خفیہ طور پر ملاقات کر کے اپنی الجھن بیان کر دینا چاہئے اور اگر آپ ان کا گھر نہیں جانتے تو پھر آپ نانا نانی سے مشورہ کرنا چاہئے۔ (ماجد لطیف، لاہور کینٹ)

○ ۔اگر نانانانی، م الف سے محبت کرتے ہیں تو ابو سے ملنے سے منع نہیں کریں گے۔ شاید وہ خود بھی اپنے داماد سے ملنا چاہتے ہو۔ لیکن اگر وہ نہ مانیں تو م الف کو ضد کرنا چاہئے اس طرح وہ مان جائیں گے۔ (اظہر کمال، ملیر کالونی، کراچی)

○ ۔نانا اور نانی سے ادب سے پوچھیں کہ وہ کیا وجوہ تھیں کہ جن کی بنا پر آپ پدرانہ شفقت سے محروم ہو گئے۔ (**عفیفہ** اطہر، گدو، سندھ)

○ ۔ان کو چاہئے کہ اپنے ابو سے ملتے رہیں اور رہیں نانا کے پاس ہی۔ کیونکہ ان کا حق زیادہ ہے۔ (محمد عثمان صدیقی، کراچی)

○ ۔میرے خیال میں آپ کو اپنے والد سے ملنے کی خواہش ترک کر دینا چاہئے۔ کیونکہ انہیں آپ سے بالکل محبت نہیں۔ (کاشف جمیل، تربت، سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی)

○ ۔ آپ اپنے والد سے پہلی اور آخری ملاقات کر کے ان کی غلطی کا احساس دلائیں اور آپ یہ نہ بھولیں کہ آپ کی محبت، خدمت اور توجہ کے مستحق آپ کے نانا اور نانی جان ہیں۔ انہوں نے آپ کی خدمت کی۔ اب آپ کی باری ہے۔ (سیدہ حریم جعفری، کراچی)

○ ۔ آپ کے والد نے آپ کے ساتھ سراسر زیادتی کی ہے۔ آپ ان سے دو چار ملاقاتیں ضرور کر لیں لیکن وہ اب اس کے مستحق نہیں ہیں کہ آپ ان کے ساتھ رہیں آپ کو ہر صورت میں اپنے نانا اور نانی جان کے ساتھ **ہی** رہنا چاہے اور ان کے بڑھاپے کا سہارا بننا چاہئے۔ (صائمہ نادر حسن، حیدر آباد)

○ ۔فی الحال آپ اپنے ابو کو بھول جائیں اور اپنی

تمام تر توجہ تعلیم، مستقبل اور نانا نانی جان کی خدمت پر مرکوز کر دیجئے۔ جب آپ بڑے ہوجائیں تو پھر آپ اپنے ابو سے مل سکتے ہیں۔ بہر حال وہ آپ کے ابو ہیں۔ ان کی تعظیم آپ پر لازم ہے۔

(عنبرین آمنہ صدیقی، جامشورو کالونی)

○ــ حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ دونوں کا حق ادا کریں۔ اور ممکن ہو سکے تو کچھ دن ابو کے ساتھ اور کچھ دن نانا نانی کے ساتھ رہ کر دیکھیں۔

(عبداللہ، جیکب آباد)

○ــ آپ کو اپنے والدصاحب سے ملاقات کرنا چاہئے۔ لیکن نانا اور نانی کی خدمت کرنے کا یہ بہترین وقت ہے اس طرح اللہ بھی آپ سے خوش رہے گا اور آپ بھی خوش رہیں گے۔ (سید علی عمران، حیدر آباد)

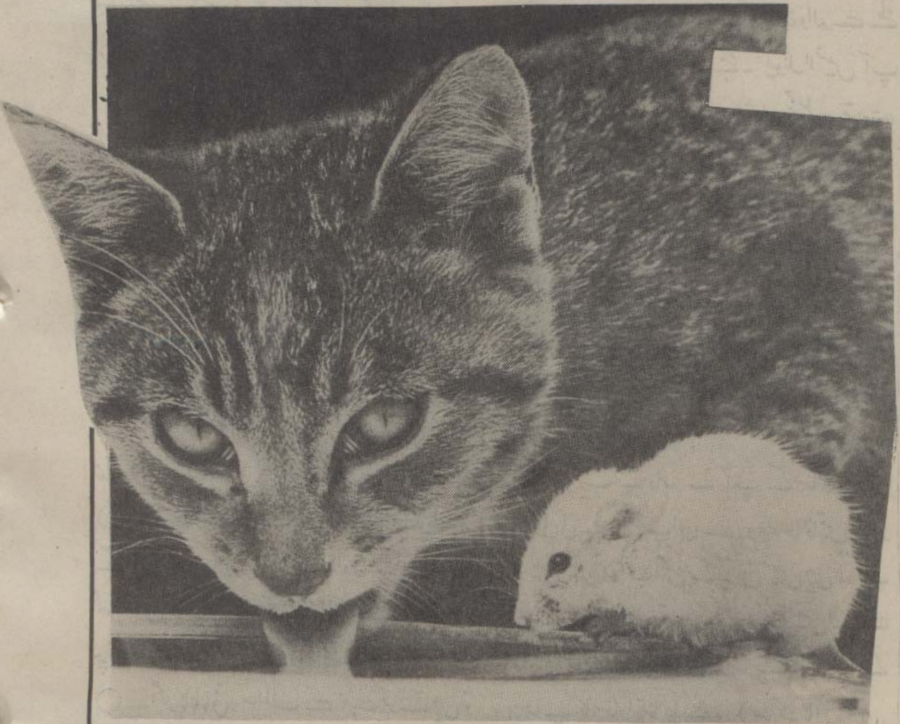

ہم نوالہ ہم پیالہ بکری کا بھانجا شیر کی خالہ

آمنے سامنے

اسٹار کھلاڑیوں سے سوال جواب کا دلچسپ سلسلہ

سلیم خالق

آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے کھلاڑیوں کے انٹرویوز کا آخری سلسلہ جونٹی رہوڈز اور کیپلر ویسلز کے جوابات کے ساتھ حاضر ہے۔ آئندہ بھی جب کوئی غیر ملکی ٹیم پاکستان کا دورہ کرے گی تو ہم انشا اللہ اس کے کھلاڑیوں کو بھی آمنے سامنے کی محفل میں لائیں گے۔

کیپلر ویسلز

سوال:۔ آپ نے آسٹریلیا کی طرف سے بھی اچھی کرکٹ کھیلی ہے اور اب آپ جنوبی افریقہ کی ٹیم سے کھیل رہے ہیں آپ کو زیادہ لطف کس ملک کی طرف سے کھیل کر آیا؟ (نفیسہ شمس، حیدر آباد، سید راشد حبیب، کراچی، مجیب ربانی، سرائے سدھو، ناصر جاوید خان، فیصل آباد ندیم اکرم بٹ، سیالکوٹ، حسن حماد، کراچی، سید شیر شاہ، گجرات، نثار احمد ہاشمی، کراچی، نائیلہ علی، اسلام آباد، نعمان ہاشمی، کراچی)

کیپلر ویسلز : میں نے آسٹریلیا کی طرف سے بھی جتنی کرکٹ کھیلی خوب لطف اندوز ہوا۔ لیکن اپنے وطن کی ٹیم کی طرف سے کھیلنا اور قیادت کرنا میرے لئے زیادہ اعزاز کی بات ہے۔

سوال :۔ آپ پہلی بار پاکستان آئے ہیں خوش آمدید۔آپ کو ہمارا وطن اور لوگ کیسے لگے؟ (سجاد جان قریشی، پٹارو گوٹھ، عبدالقدیر انڈھڑ، پنوں عاقل، حماد عثمانی، کراچی)

کیپلر ویسلز : پاکستان اور اس کے رہنے والے دونوں مجھے بہت اچھے لگے۔ پاکستانی عوام بہت خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں یہ میری ہی نہیں ہماری پوری ٹیم کی مشترکہ رائے ہے۔

سوال :۔ آپ کی ٹیم کافی عرصے تک کرکٹ کے میدانوں سے دور رہی اور پھر انٹرنیشنل کرکٹ میں ٹیم کی آمد شاندار طریقے سے ہوئی اور بہت کم عرصے میں آپ کی ٹیم کا شمار دنیا کی اچھی ٹیموں میں ہونے لگا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ (طاہر ناز انصاری، جہلم۔)

کیپلر ویسلز : ٹیم کی اچھی کارکردگی کی وجہ ٹیم اسپرٹ کا ہونا ہے ہماری ٹیم پر سے جب پابندیاں ہٹیں تو ہم لوگ ایک نئے جوش و جذبے کے ساتھ کرکٹ کے میدانوں میں آئے اور شکر ہے کامیاب رہے۔

سوال : اگر آپ کی ٹیم میں ایلن ڈونالڈ کے ساتھ ساتھ وسیم اکرم اور وقار یونس بھی ہوتے تو یقیناً آپ کی ٹیم دنیا کی مضبوط ترین ٹیم ہوتی کیا خیال ہے؟ (محمد عالم، جھنگ)

کیپلر ویسلز : ابھی بھی ہماری کرکٹ ٹیم کسی سے کم نہیں ہے۔

سوال :۔ ورلڈ کپ ۱۹۹۲ کے سیمی فائنل میں جب آپ لوگ ورلڈ کپ کے ناقص قوانین کی وجہ سے جیتا ہوا میچ ہار گئے تھے تب آپ کے کیا تاثرات تھے؟ (نہمینہ برڈو، مکلی سندھ۔)

کیپلر ویسلز : وہ میرے کرکٹ کیریئر کا بدترین لمحہ تھا میں اس وقت کو کبھی نہیں بھول سکتا بارش نے جیتا ہوا میچ ہمیں ہروا دیا تھا اگر وہ میچ ہم جیت جاتے تو یقیناً ورلڈ چیمپئن ہوتے بہر حال چیمپئن بننا تو پاکستان کی قسمت میں لکھا تھا۔

جونٹی رہوڈز

سوال :۔ آپ کے بال مجھے بہت اچھے لگتے ہیں آپ کون سا شیمپو استعمال کرتے ہیں؟ (اویس یوسف زئی، اٹک)

جونٹی رہوڈز :۔ دوست کوئی کرکٹ کے مطابق اچھا سا سوال کیا ہوتا یہ کیا آپ شیمپو وغیرہ کا پوچھنے لگے۔

سوال :۔ جونٹی آپ میدان میں تو خاصے خوش

مزاج دکھائی دیتے ہیں یہ بتائیے کہ عام زندگی میں بھی آپ ایسے ہی ہیں؟ (قرۃ العین عزیز، حافظ آباد۔ ثانیہ ظفر، حافظ آباد۔)
جونٹی رہوڈز:۔ جی ہاں محترمہ عام زندگی میں بھی میں ایسا ہی بندہ ہوں کیا آپ کو یقین نہیں ہے۔
سوال:۔ آپ جیسا پھرتیلا کھلاڑی خدا کسی کسی کو نصیب کرتا ہے کیا آپ واقعی اس زمین کی مخلوق ہیں یقین نہیں آتا خواب سا لگتا ہے آپ ایسی لمبی لمبی ڈائیوز کیسے لگا لیتے ہیں کہیں آپ کی کسی بندر سے تو دوستی نہیں ہے؟ (ارشد، آزاد کشمیر۔)
جونٹی رہوڈز:۔ سیارہ پلوٹو کی مخلوق ہوں۔ ارے بھائی کہاں ہیں۔ آپ یہ خواب وخیال کی دنیا سے نکلیں اور حقیقت کو دیکھیں۔ میں آپ جیسا ہی انسان ہوں۔
سوال:۔ ورلڈ کپ ۱۹۹۲ کے ایک میچ میں پاکستان کے خلاف آپ نے ہوا میں جست لگا کر شاندار طریقے سے انضمام الحق کو رن آؤٹ کیا تھا اس کے بارے میں کچھ بتائیے؟ (میاں عبدالرزاق، ملتان۔ محمد فاروق منیر، لاہور)
جونٹی رہوڈز:۔ وہ لمحہ ایسا تھا کہ اگر میں ڈائیو لگائے بغیر رن آؤٹ کرنا چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا اس لئے میں نے ایک لمحے کو سوچا اور ڈائیو لگا دی جس کے نتیجے میں انضمام (جو اس وقت بہت اچھا کھیل رہا تھا) رن آؤٹ ہو گیا تھا۔
سوال:۔ بلاشبہ آپ فیلڈنگ کی دنیا کے بادشاہ ہیں اور ہر میچ میں آپ کی فیلڈنگ قابل دید ہوتی ہے مگر انسان خطا کا پتلا ہے۔ کبھی نہ کبھی غلطی تو ہو ہی جاتی ہے کبھی آپ کے ساتھ بھی ایسا ہوا ہے کہ میچ میں آپ کی فیلڈنگ خراب ہوئی ہو؟ (تہمینہ حنیف، شیخوپورہ۔)
جونٹی رہوڈز:۔ جی ہاں ایک دو مس فیلڈنگ تو اکثر ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پورے میچ میں میری فیلڈنگ خراب ہوئی ہو۔
سوال:۔ ڈیئر جونٹی آپ کے کھیل میں ایک خاص بات میں نے نوٹ کی ہے کہ آپ بیٹنگ سے زیادہ فیلڈنگ پر توجہ دیتے ہیں حالانکہ میرا خیال ہے کہ اگر آپ بیٹنگ پر بھرپور توجہ دیں تو دنیا میں شاید ہی آپ جیسا کوئی بیٹسمین ہو؟ (وسیم عباسی، لاہور)
جونٹی رہوڈز:۔ میری بھی یہ خواہش ہے کہ میں فیلڈنگ کی طرح بیٹنگ میں بھی نام پیدا کروں۔ آپ کی یہ بات غلط ہے کہ میں بیٹنگ سے زیادہ فیلڈنگ پر توجہ دیتا ہو۔ میں دونوں پر یکساں توجہ دیتا ہوں۔ اور جنوبی افریقہ کی ٹیم میں میری شمولیت بیٹسمین کی حیثیت سے ہی ہے۔
سوال:۔ جونٹی آپ میرے پسندیدہ ترین کرکٹر ہیں، ذرا آپ مجھے یہ تو بتائیے کہ آپ کا کرکٹ میں یادگار ترین اور بدترین دن کون سا ہے؟ (صائمہ ہاشمی، سمیرا ہاشمی، کراچی۔)
جونٹی رہوڈز:۔ کرکٹ میں میرا یادگار ترین دن وہ ہے جب ہم لوگ کافی عرصے بعد کرکٹ میں واپس

آئے تھے یعنی ورلڈ کپ ۱۹۹۲ کا پہلا میچ اور بدترین دن اسی ورلڈ کپ کے سیمی فائنل والا دن تھا جب بارش کی وجہ سے ہم لوگ جیتا ہوا میچ ہار گئے تھے۔

سوال:۔ آپ خود تو بہت سے لوگوں کے آئیڈیل ہیں۔ خود آپ کے پسندیدہ کرکٹرز کون کون ہیں؟ (شہزا جمیل، حمیرا جمیل، کراچی۔)

جونٹی رہوڈز:۔ پیٹر کرسٹن، ویوین رچرڈز، آئن بوتھم اور ڈیسمنڈ ہینیز میرے پسندیدہ کرکٹرز ہیں۔

سوال:۔ آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟ (شہلا علی، اسلام آباد۔)

جونٹی رہوڈز:۔ جنوبی افریقہ کی ٹیم کی طرف سے اچھا اور زیادہ سے زیادہ کھیلنا میری خواہش ہے۔

سوال:۔ کرکٹ کی زندگی کا کوئی یادگار واقعہ سنائیے؟ (نوید ہاشمی، حرا ہاشمی، کراچی۔)

جونٹی رہوڈز:۔ ۱۹۹۱ میں ساؤتھ افریقہ میں نٹال اور ٹرانسوال کا ایک میچ ہو رہا تھا۔ رچرڈ اسنیل مجھے بولنگ کرا رہے تھے ہمیں میچ جیتنے کے لئے آخری گیند پر ے رنز درکار تھے۔ اسنیل نے گیند کی وہ نو بال تھی جس پر میں نے چھکا لگا دیا۔ اگلی بال پر میں نے چوکا لگا دیا اس طرح میں نے ایک بال پر دس رنز بنا کر اپنی ٹیم کو جتایا یہ میرے کیریئر کا یادگار واقعہ ہے۔

سوال:۔ جونٹی، کرکٹ کے علاوہ آپ کون سا کھیل کھیلتے ہیں اور اسپورٹس کے علاوہ آپ کے دیگر مشاغل کیا کیا ہیں؟ (فوزیہ، پشاور۔ عشرت یوسف، جمشید یوسف، کراچی۔)

جونٹی رہوڈز:۔ کرکٹ کے علاوہ میں فٹ بال کھیلتا ہوں۔ دیگر مشاغل میں مطالعہ کرنا ہے۔

آمنے سامنے کے آئندہ مہمان

محمد یوسف (اسنوکر کے عالمی چیمپئن)

سوالات بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰ فروری ہے

سوالات بھیجنے کا پتا:۔

انچارج "آمنے سامنے" ماہنامہ "آنکھ مچولی"
ایل آئی بی کالونی کراچی

جواب آنکھ مچولی نے پوچھا

گزشتہ ماہ قلم دوست کی بلاعنوان انعامی کہانی کا درست حل کوئی بھی ساتھی نہ بھیج سکا۔ اس بلاعنوان کہانی کا عنوان تھا "نوید کی ترکیب" کہانی کے مصنف تھے "محمد بن مالک" اور نوید نے جو ترکیب بتائی وہ تھی "کہانی ہمیشہ کاغذ کے ایک طرف صاف اور خوشخط لکھیں کہانی کا انداز سادہ دلچسپ اور آسان ہو۔ نئے منفرد اور چونکا دینے والے انداز سے لکھی گئی کہانیاں زیادہ پسند کی جاتی ہیں۔ کہانی میں وعظ و نصیحت نہ کی جائے بلکہ کہانی میں ہی وہ بات چھپا دی جائے جسے پڑھنے والا محسوس کرے آخری بات یہ کہ کہانی زیادہ طویل نہ ہو اور اس پر لکھنے والے کا نام اور مکمل پتا ضرور ہونا چاہیے۔"

وہ کیا راز تھا؟

محمد عمر احمد خان

تیرہویں قسط

چیخ کی آواز نے جواد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اس کے بھائی کی چیخ تھی۔ ٹرین کے سفر میں جواد کی ملاقات شیر بہادر صاحب سے ہوئی۔ انہوں نے آنکھوں پر کالا چشمہ لگایا ہوا تھا، ہاتھوں میں دستانے تھے اور فلیٹ ہیٹ سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ وہ عجیب وغریب صلاحیتوں کے ماہر تھے انہوں نے جواد کی سیٹ کا نمبر تبدیل کر دیا جو آٹھ تھا پھر انہوں نے اسلام آباد میں ٹھہرنے کے لئے جواد کو ہوٹل اسپا کا کارڈ دیا جو بعد میں ہوٹل "اسپائیڈر" نکلا۔

ہوٹل اسپائیڈر میں ہر جگہ آٹھ کا ہندسہ گردش کر رہا تھا وہاں مکڑیوں پر حیرت انگیز تجربات کئے جا رہے تھے۔ ٹرکوں سے چپٹی ناکوں والے بونے اُتر رہے تھے انہیں "دیوارِ قید" سے آزاد کرایا گیا تھا۔ بونوں کی یہ عجیب وغریب نسل پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہی تھی۔ مکڑیوں نے سفید سفوف کھالیا تو بڑی بڑی بدہیت عفریتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کے ملازمین اور جواد کو چیر پھاڑ ڈالا لیکن لاشیں زندہ ہو گئیں۔ مر کر زندہ ہونے والوں نے آبِ حیات سے غسل کیا تو سب کے زخم بھر گئے پھر ہرے رنگ کا مشروب پیتے ہی جواد کو کچھ ہوش نہ رہا جب ہوش آیا تو وہ راولپنڈی اسٹیشن کی ایک بنچ پر پڑا تھا ـــــــ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے ہاتھوں میں تین تین **انگلیوں** کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی مکڑی کی طرح سپاٹ عمارتوں پر چڑھنے اور لوگوں کے دماغوں میں اُترنے کی حیرت انگیز صلاحیت بھی حاصل ہو گئی تھی۔

ایک پُراسرار ہیٹ والا مسلسل جواد کا تعاقب کر رہا تھا ـــــــ جواد نے آگ میں گھری ہوئی عمارت سے بچے کو بچالیا۔ جواد کے سپاٹ عمارت پر چڑھنے اُترنے کے دوران پراسرار ہیٹ والے نے ایک طاقتور کیمرے سے ان مناظر کی کئی تصاویر کھینچیں۔

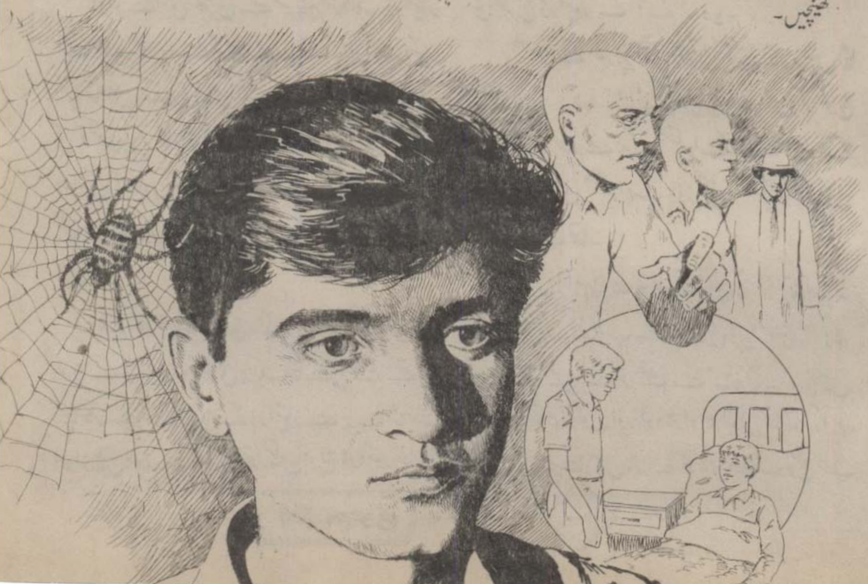

جواد نے ٹیلی پیتھی استعمال کی تو راولپنڈی کا گجر بدمعاش اور اس کے ساتھی مرغا بننے پر مجبور ہوگئے۔ لوگوں نے انہیں کس کس کر بیس جوتے رسید کئے تو بدمعاش ڈھیر ہو گئے۔

ہوٹل میں پولیس پہنچ گئی تو جواد وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ جواد نے ایک کوچ کو روکا اور اس میں بیٹھ گیا۔ ہیٹ والا بھی دوڑتا ہوا آیا تاکہ کوچ میں بیٹھ سکے لیکن کوچ تیزی سے آگے نکل گئی ہیٹ والا مایوسی سے ہاتھ ملنے لگا لیکن اسی وقت سفید رنگ کی ایک کار ہیٹ والے کے قریب آکر رُکی۔ اس میں دو گنجے بیٹھے تھے۔ ہیٹ والا کار میں بیٹھ گیا تو سفید کار کوچ کا تعاقب کرنے لگی۔

جواد بچے کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا کہ اس کی سوچ کی لہریں بکھر گئیں۔ کوچ کو اچانک ایک زوردار جھٹکا لگا تھا۔ جواد کا سر زور سے سامنے والی سیٹ سے ٹکرایا اور پھر ــــــــ!!

(اب آپ آگے پڑھئے)

یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ جواد ہڑبڑا کر رہ گیا سیٹ سے ٹکرانے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک لمحے کے لئے اندھیرا سا چھا گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہو گئیں۔ اس نے دیکھا گاڑی کے اچانک رکنے کی وجہ سے دوسرے مسافر بھی ایک دوسرے پر لڑھک گئے ہیں۔ کوچ کا ڈرائیور کھڑکی سے اپنا سر باہر نکال کر کسی کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

جواد نے بھی کھڑکی سے سر باہر نکالا۔ ڈرائیور ایک سفید کار والے کو ڈانٹ رہا تھا۔ کار کا ڈرائیور گنجا تھا اس کے برابر میں ایک ہیٹ والا بیٹھا تھا جس کی آنکھوں پر کالا چشمہ لگا تھا بالکل اسی طرح کا جیسے جواد کی آنکھوں پر تھا۔ ان دونوں کے پیچھے ایک اور گنجا بیٹھا تھا جو اپنی ٹنڈ پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔

سفید کار اچانک کوچ کے سامنے آگئی تھی اور کوچ کے ڈرائیور کو ہنگامی بریک لگانے پڑے تھے۔ گنجا کار سے اتر کر کوچ کے ڈرائیور سے بڑے شائستہ انداز میں معذرت کر رہا تھا لیکن کوچ ڈرائیور خاصا برہم تھا۔

"ام سے معافی مانگتی ہے ــــــ ام توم کو معاف نہیں کرے گی خانہ خراب کی بچی توم کو گاڑی چلانا نہیں آتی ہے ــــــ!!" ڈرائیور کی بات سن کر گنجے نے کہا۔ "خان صاحب! غلطی ہماری ہے لیکن پھر بھی آپ ہم کو معاف نہیں کرتے تو یہ ہماری گنجی ٹنڈ حاضر ہے ــــــ" اتنا کہہ کر گنجے نے اپنے چمکتے ہوئے سر کو کسی مسخرے کی طرح ڈرائیور کے آگے کر دیا۔

"سزا کے طور پر جتنی چپتیں آپ لگانا چاہیں لگا سکتے ہیں ــــــ!!" گنجے کی یہ بات سن کر کوچ میں موجود سارے لوگ مسکرانے لگے۔ جواد کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ گنجا واقعی کوئی مسخرہ لگ رہا تھا۔

"ہاں! ام چپت ضرور لگائی گی۔" اتنا کہہ کر کوچ ڈرائیور نے جیب سے نسوار کی ڈبیا نکالی پھر کچھ نسوار ہاتھ میں لے کر غصے سے مسلنے لگا۔ کوچ میں موجود تمام لوگوں اور خود جواد کا خیال تھا کہ ڈرائیور گنجے کے چپت نہیں مارے گا لیکن خلاف توقع سب

کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ ڈرائیور نے نسوار اپنے کلّے کے ایک طرف دبائی اور پھر ایک زور دار چپت گنجے کی چمکتی ہوئی کھوپڑی پر رسید کی۔

"تڑاخ!" زور دار آواز فضا میں گونجی۔ جواد کو یوں لگا جیسے گنجے کی کھوپڑی ٹوٹ گئی ہو لیکن کھوپڑی کسی چمکتے ہوئے ناریل کی طرح سالم تھی۔

"اور چاہو تو اور بھی لگا سکتے ہو!" گنجے نے ایک بار پھر اپنی کھوپڑی آگے کی۔ "او بس کرو ناریل کی بچی ـــــ ابھی اتنی ہی سزا کافی ہے ورنہ ام تومارا تیل نکالتا ـــــ شکل گم کرو یہاں سے ـــــ!!" ڈرائیور نے غصے سے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھا دی۔

جواد کو کوچ ڈرائیور کے رویے پر سخت افسوس ہوا لوگ بھی خوش نظر نہیں آرہے تھے۔ "گنجا تو کسی سرکس کا مسخرہ لگ رہا تھا۔" جواد کے سامنے بیٹھے ہوئے صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ "ہاں صاحب! کوئی مسخرہ ہی تھا جبھی اتنے آرام سے چپت کھالی۔" دوسرے صاحب نے ہنستے ہوئے ان کی بات کا جواب دیا۔ "ڈرائیور بڑا بدتمیز ہے"۔ لوگ تبصرہ کر رہے تھے۔

جواد گنجے کے لب و لہجے کو پکڑ کر اس کے دماغ میں پہنچنا ہی چاہتا تھا لیکن پھر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کا ذہن ہسپتال والے بچے کے سوال پر لگا ہوا تھا۔ اس لئے وہ کوچ کے ڈرائیور اور گنجے کو بھول کر آنکھیں بند کر کے دوبارہ بچے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ بچہ بستر پر خاموشی سے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ لیکن اس کا دماغ جاگ رہا تھا۔ اس کے، ذہن میں آگ میں گھرا منظر کسی فلم کی طرح چل رہا تھا اور وہ یہی سوچ رہا تھا "اچھے لوگ نیکی کریں تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔"

جواد کوئی فرشتہ نہیں تھا انسان تھا لیکن اس بچے کی معصوم سوچ نے اس کا سینہ سچی خوشی سے بھر دیا تھا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ حقیقی خوشی دوسروں کے کام آنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ "کیا وہ فرشتہ دوبارہ مجھ سے مل سکتا ہے؟" ننھا بچہ بڑی معصومیت سے سوچ رہا تھا۔ "کیوں نہیں ـــــ وہ تم سے ضرور ملے گا۔ اچھے لوگوں سے ملنا ہر کوئی پسند کرتا ہے۔" جواد نے بچے کے دماغ میں نئی سوچ پیدا کی۔ خود اس کے دل میں بچے سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو چلا تھا۔ میں تم سے ضرور ملوں گا!!" جواد نے بچے کے دماغ میں بڑے جوش سے کہا۔ اسی وقت بچے نے چونک کر اپنی آنکھیں کھول دیں اور بڑی حیرانی سے کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ "یہ کس نے کہا کہ میں تم سے ضرور ملوں گا!!" بڑی حیرانی سے بچہ سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھُلا اور سفید گاؤن میں ملبوس اسٹیتھسکوپ گلے میں ڈالے ایک ڈاکٹر مسکراتا ہوا بچے کے قریب آیا پھر بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے، پوچھا۔ "منے میاں! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" "اللہ کا شکر ہے ـــــ اب میں

بالکل ٹھیک ہوں۔" بچہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"ارے! آپ لیٹے رہیں ــــــ ابھی دو تین دن تک آرام کرنا ہے آپ کو۔ ڈاکٹر کی بات سُن کر بچہ دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔
"ڈاکٹر صاحب! آپ نے اسے زیادہ بات کرنے سے منع کیا ہے کہ بولنے سے سانس پھولے گی اس کے باوجود یہ بہت باتیں کرتا ہے۔" بچے کی ماں نے ڈاکٹر کو بتایا۔ ماں کی یہ بات سن کر ڈاکٹر مسکرایا پھر کہا۔ "بچے تو ہوتے ہی باتونی ہیں۔" اتنا کہکر ڈاکٹر نے شفقت سے منے میاں کے گال تھپتھپائے "دیکھو! منے میاں! آپ کے پھیپھڑوں میں دھوئیں کے کچھ ذرّات چلے گئے ہیں اس لئے آپ زیادہ دیر بات کریں گے تو آپ کی سانس پھولنے لگے گی۔ ہم اچھی اچھی دوائیں دے رہے ہیں آپ ایک دو دن میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گے پھر آپ بھلے سے خوب باتیں کیجئے گا۔"
"ٹھیک ہے لیجئے اب میں بات نہیں کروں گا!" اتنا کہہ کر بچے نے بڑی معصومیت سے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ لی۔ ڈاکٹر کچھ دیر بچے کے پاس رہا اور اتنی دیر میں جواد بچے کے دماغ سے نکل کر ڈاکٹر کے دماغ میں چھُپا رہا اور اس سے سوچ کے ذریعے ہسپتال کا نام اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ معلوم کرتا رہا۔ ڈاکٹر جب کمرے سے باہر نکلا تو سوچ رہا تھا "یہ آج میرے دماغ میں عجیب عجیب سوچیں پیدا ہو رہی ہیں نہ جانے کیوں؟" پھر ڈاکٹر نے اپنا سر جھٹکا تو ــــــ جواد اس کے دماغ سے باہر نکل آیا۔

ذہنی طور پر اب وہ کوچ میں موجود تھا۔
"آب پارہ ــــــ پارہ ــــــ!!" کنڈیکٹر آواز لگا رہا تھا۔ "ہے کوئی آب پارہ والا؟" کنڈیکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا لیکن سب خاموش بیٹھے تھے۔ "جانے دے استاد ــــــ ڈبل اے ــــــ!!"
اسی وقت جواد نے زور سے گاڑی کی چھت پر ہاتھ مارا۔ "گاڑی روکو!" "صاب! لگتا ہے تم سو رہا تھا۔" کنڈیکٹر نے گیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے جواد سے کہا۔ "ہاں ہاں نیند سی لگ گئی تھی۔" جواد نے جلدی سے کہا۔
ڈرائیور نے بڑی زور سے گاڑی کو بریک لگائے۔ تمام مسافروں کو ایک جھٹکا سا لگا۔ خود جواد گرتے گرتے بچا۔ "او خانہ خراب! یہ سونے کی جگہ نئیں اے...... تم سونے کے واسطے گاڑی میں بیٹھتی اے۔" ڈرائیور نے گردن گھما کر بڑے غصے سے کہا۔
"خان صاحب! غصے کیوں ہوتے ہو؟" جواد کی یہ بات سن کر ڈرائیور چیخ کر بولا۔ "اتھروا تھرو ابھی ہمارا دماغ مت خراب کرو۔" ٹیلی پیتھی بڑے بڑوں کے دماغ خراب کر دیتی ہے۔ وہ ڈرائیور جواد کا دماغ خراب کر رہا تھا لیکن بڑی مشکلوں سے جواد نے خود کو کنٹرول کیا۔ وہ اس جاہل آدمی سے اُلجھنا نہیں چاہتا تھا۔ "اس کا دماغ تو بعد میں بھی درست کیا جاسکتا ہے ابھی تو مجھے

ہسپتال پہنچنا ہے۔"

یہ سوچ کر جواد کوچ سے اُتر پڑا۔ ڈاکٹر کے دماغ سے جو معلومات اس نے حاصل کی تھیں ان کے مطابق ہسپتال آب پارہ اسٹاپ کے نزدیک ہی تھا۔ جواد اسٹاپ کے قریب ہی اُترا تھا وہاں ایک بڑی سی مارکیٹ تھی۔ جواد نے ایک دکاندار کے سامنے مطلوبہ ہسپتال کا نام لیا تو اس نے کہا۔ "آپ اس مارکیٹ کے پیچھے چلے جائیں۔ ایک میرج گارڈن آئے گا آپ اس میرج گارڈن کو بھی چھوڑ دیں تو ہسپتال آجائے گا۔"

"بہت شکریہ جی!" جواد نے دکان دار کا شکریہ ادا کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" دکان دار نے بڑے شائستہ لہجے میں کہا۔ اس کے بات چیت اور انداز میں اتنی شائستگی تھی کہ کچھ دیر پہلے کوچ میں ہونے والی کوفت جواد کے ذہن سے دور ہو گئی۔

وہ مارکیٹ کے پیچھے سے نکلا اور میرج گارڈن کو عبور کر کے ہسپتال پہنچ گیا۔ ہسپتال کے استقبالیہ پر اس نے رکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ڈاکٹر کے دماغ سے ہی ساری معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔

جواد تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا تیسری منزل پر پہنچا اور کمرہ نمبر پینتیس پر جا کر رُکا۔

وہ دروازے کے باہر شش و پنج کی کیفیت میں کھڑا تھا۔ وہ بچے کی ماں کے سامنے جا کر اپنی نیکی برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے وہ اندر جانے کے لئے سوچنے لگا اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور بچے کی ماں باہر نکلتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے سرسری نظروں سے جواد کی طرف دیکھا اور پھر سیڑھیاں اُتر کر نچلی منزل کی طرف جانے لگی۔ ماں کے جاتے ہی جواد دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ بچہ بستر پر آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ دروازہ کھُلنے کی آواز سنتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ "کیا ہوا امی کیا فون نمبر یاد نہیں رہا آپ ....؟"

پھر وہ ایک دم سے حیران رہ گیا۔ اس کے سامنے اس کی امی نہیں، ایک نوجوان کھڑا تھا اس کی آنکھوں پر کالا چشمہ لگا تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔

"آپ کی امی کہاں گئی ہیں؟" نوجوان نے پوچھا۔

"کیوں؟ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں ...... آپ کون ہیں اور میرے کمرے میں بلا اجازت کیوں آئے ہیں؟" بچے نے اُلٹا ہی اُس سے پوچھ لیا۔

"میں آپ کے سارے سوالات کے جوابات دے دوں گا پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔" جواد نے مسکراتے ہوئے کہا اور بچے کے قریب ہی بستر پر بیٹھ گیا۔

"آپ میرے لئے اجنبی ہیں میں آپ کو اس وقت تک کچھ نہیں بتا سکتا جب تک آپ خود کچھ نہیں بتائیں گے......" بچے نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ وہ جواد سے بالکل خائف نظر نہیں آ رہا

تھا۔

"آپ نہ بھی بتائیں تو مجھے سب معلوم ہے آپ کہیں تو آپ کے متعلق سب کچھ بتا سکتا ہوں۔" جواد نے کہا۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟" "میں آنکھیں کچھ دیر کے لئے بند کر لوں تو مجھے سب معلوم ہو جاتا ہے، ٹھہریں میں ابھی بتاتا ہوں آپ کو۔"

اتنا کہہ کر جواد نے آنکھیں بند کر لیں اس کی آنکھیں نظر نہیں آ رہی تھیں کیونکہ آنکھوں پر کالا چشمہ لگا تھا لیکن بچہ انداز سے سمجھ رہا تھا کہ وہ اس وقت آنکھیں بند کر کے کچھ سوچ رہا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد جواد نے آنکھیں کھول دیں پھر بچے سے کہا۔ "میں نے معلوم کر لیا آپ کا نام یاسر احمد ہے ایک فرشتے نے آپ کو جلتی ہوئی عمارت سے بچایا اور..........."

"ارے آپ کو یہ کیسے پتا چلا؟" بچہ مارے حیرت کے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کی امی اس وقت کہاں ہیں؟"

"اچھا..... کہاں ہیں؟" بچے کی آنکھوں میں بہت زیادہ حیرت نمودار ہو گئی۔

"آپ کی امی اس وقت....." جواد نے پھر کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کیں پھر آنکھیں کھول کر کہا۔ "آپ کی امی اس وقت دوسری منزل کے کمرہ نمبر گیارہ میں اپنی ایک پرانی سہیلی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ دراصل آپ کی امی آپ کے ابو کو فون کرنے جا رہی تھیں دوسری منزل سے گزرتے ہوئے انہوں نے اپنی ایک پرانی سہیلی کے کمرے کا دروازہ کُھلا دیکھا تو انہیں پہچان لیا۔ جواد ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر دوسرے ہی لمحے بولا۔

"آپ کی امی کی سہیلی کا نام طاہرہ ہے۔ وہ ایک اسکول میں ہیڈ مسٹریس ہیں۔ کل ان کا اپنڈکس کا آپریشن ہے۔ آپ کی امی کچھ دیر ان کے پاس بیٹھیں گی پھر آپ کے ابو کو فون کر کے ہسپتال بُلوائیں گی۔"

کک ..... کک ..... کیا یہ سب آپ نے بالکل درست بتایا ہے۔" بچے کے لہجے میں اشتیاق، حیرت سب ہی کچھ سمٹ آیا تھا۔

"جی ہاں بالکل درست آپ کی امی جب آئیں تو آپ ان سے پوچھ لیجئے گا ہمارا کہا ہوا ایک لفظ بھی غلط نہ ہو گا۔" جواد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ ..... آپ ..... ہیں کون؟"

"میں وہی ہوں جس نے اللہ کے کرم سے آگ میں گھری عمارت سے آپ کو بچایا تھا۔"

"کک ..... کک ..... کیا ..... آپ ..... آپ ..... وہیں ہیں ..... آپ ..... آپ ..... فرشتے ہیں ناں؟"

"جو آپ سمجھ لیں لیکن میں فرشتہ نہیں۔"

"پھر آپ کیا ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔"
بچہ اب بڑی طائرانہ نگاہوں سے جواد کو دیکھ رہا تھا اسے یقین ہو چلا تھا کہ فرشتہ یہی ہے۔ "آپ ...... آپ ...... اس وقت انسانی روپ میں میرے پاس آئے ہیں ناں؟"
"انسانی روپ میں؟ ...... اچھا اچھا ......" جواد بچے کی بات کو سمجھ کر بے اختیار ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "لیکن اس روپ کو اپنا کر میں تو مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔" "کیسی مصیبت میں؟" بچے نے اشتیاق سے پوچھا۔ "چھوڑیں اس بات کو کوئی اور بات کریں۔" جواد نے کہا۔ "آپ نے مجھے اس عمارت سے کس طرح نکالا؟"
بچے کی حیرت ختم ہوئی تو ذہانت لوٹ آئی۔
"اس طرح سے" جواد نے شوخ لہجے میں کہا پھر یہ کہہ کر کمرے کی سپاٹ دیوار پر کسی مکڑی کی طرح چڑھا اور پھر مکڑی ہی کی طرح نیچے اتر آیا۔
"حیرت انگیز!" بچہ چلایا پھر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "نہیں اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ...... آپ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کیونکہ آپ فرشتے ہیں۔"
"مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے آپ کو اس پر عمل کرنا ہوگا۔" جواد نے کہا۔
"ضرور کہیے ...... مجھے آپ کی بات مان کر بہت خوشی ہوگی۔"
"جس طرح میں نے اللہ کی مہربانی سے آپ کی مدد کی ہے آپ بھی بڑے ہو کر لوگوں کی خدمت کریں گے اور وقت پڑنے پر لوگوں کے کام آئیں گے۔"
میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں میں ایسا ہی کروں گا۔" بچے نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔
"اچھا بھئی اب ہم جا رہے ہیں کیونکہ ہمیں اور بھی کام کرنے ہیں۔" جواد نے جھک کر اس کے گالوں کا پیار کیا۔
"اتنی جلدی جا رہے ہیں ...... امی کو تو آنے دیجئے۔ میں آپ کی خاطر کرنا چاہتا ہوں۔" بچہ جانے کی خبر سن کر اُداس ہو گیا۔
"پھر کبھی آئیں گے آپ کے گھر ...... اچھا خدا حافظ!"
"خدا حافظ!" بچے نے بڑے دھیرے سے ہاتھ ہلایا۔ جواد فوراً ہی کمرے سے باہر نکل آیا۔ کیونکہ وہ بچے کی امی کے دماغ میں پہنچا تھا تو پتا چلا .... کہ بچے کی امی فون کر کے اسی طرف آ رہی ہیں۔
جواد سیڑھیاں اُتر کر جب نیچے جانے لگا تو بچے کی ماں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ رہی تھی۔ "السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ۔" جواد نے انہیں سلام کیا اور بغیر رُکے سیڑھیاں اُترتا چلا گیا۔ "وعلیکم السلام ...... نہ جانے کون تھا؟" بچے کی ماں نے مڑ کر جواد کو دور تک جاتے دیکھا پھر وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اسے ایک حیرت انگیز کہانی بچے کی زبانی سُننی پڑی جس کا ایک ایک حرف سچا تھا۔ یاسر فرشتہ دیکھنے پر بہت خوش تھا۔ لیکن ماں کو بھی یقین آ گیا تھا

کیونکہ انسانی صورت والے فرشتے نے اسے سلام کیا تھا۔ فرشتہ دیکھنے کا اعزاز اب اسے بھی حاصل ہو گیا تھا۔ یہ وہ خوشی تھی جو دونوں ماں بیٹے نے زندگی میں پہلی بار ایک عجیب پر مسرت انداز میں محسوس کی تھی۔

جواد سیڑھیاں اُتر کر نیچے آیا پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آب پارہ اسٹاپ پر پہنچ گیا۔ اس کا ذہن اُلجھا ہوا تھا۔ پُراسرار ہیٹ والا کچھ فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا.... دور آئسکریم کی ایک دکان کے سامنے سفید کار کھڑی تھی جس میں دونوں گنجے بیٹھے ہیٹ والے یا دوسرے لفظوں میں جواد کا انتظار کر رہے تھے۔

جواد اسٹاپ پر سوچوں میں گُم کھڑا تھا۔ ہوٹل اسپائیڈر کا اسرار پھر ہرے رنگ کا مشروب خود اس کے اندر پیدا ہونے والی حیرت انگیز تبدیلیاں۔ وہ سوچ رہا تھا اور الجھ رہا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں شیر بہادر صاحب کا خیال آیا۔

"افوہ میں تو انہیں بھول ہی گیا۔ انہیں یقیناً ہوٹل اسپائیڈر کا راز معلوم ہو گا۔ میں ابھی ان کے دماغ میں پہنچ کر یہ اسرار کھولتا ہوں۔"

"یہ سوچتے ہی جواد نے شیر بہادر صاحب کا لب و لہجہ یاد کیا پھر خیال خوانی کی پرواز کی اور اپنی سوچ کی لہریں شیر بہادر صاحب کے دماغ میں پہنچا دیں لیکن ..... سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔ جواد نے پھر کوشش کی اور یہ کوشش چار پانچ بار کی لیکن ہر بار اس کی سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔

سوچ کی لہروں کا اس طرح مایوس واپس آنا اس بات کا اشارہ کر رہا تھا کہ شیر بہادر صاحب اب اس دنیا میں نہیں ان کا دماغ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکا ہے۔

"تو کیا ہوٹل اسپائیڈر کے راز پر اسی طرح پردہ پڑا رہے گا؟ کیا میری یہی حالت رہے گی؟؟؟" جواد کی پیشانی پر تفکرات کی لکیریں گہری ہو گئیں..........!!

(جاری ہے)

اس سنسنی خیز کہانی کے مزید دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

انعام کس کو ملا

بتائیے میں کون ہوں" میں چھپنے والے خاموش فلموں کے مزاحیہ اور مقبول اداکار چارلی چپلن کو تمام ساتھیوں نے پہچان لیا۔ اس سلسلے میں سینکڑوں ساتھیوں نے بالکل درست جوابات روانہ کیے۔ ہم مقابلے میں شرکت کرنے والے تمام ساتھیوں کے تہہ دل سے مشکور ہیں — چھ خوش نصیب ساتھی جو بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حقدار قرار پائے درج ذیل ہیں۔

۱۔ وقاص احسن عباسی، راولپنڈی کینٹ
۲۔ فہد احمد، کندھ کوٹ
۳۔ سحر شیخ، نواب شاہ
۴۔ کیڈٹ شجاعت عباس رضا، پٹارو
۵۔ سمن جبار سلیمی، پشاور
۶۔ صوفیہ وحید، کراچی

نوٹ: صوفیہ وحید سے درخواست ہے کہ وہ اپنا مکمل پتہ بھیج دیں تاکہ انہیں اعزازی شمارہ روانہ کیا جا سکے۔

قلم دوست

اُن کی تحریریں جو ادیب بننا چاہتے ہیں

روشنی

ایک دفعہ ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا۔ وہ اس کو تمام قافلے میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ وہ ایک ایک آدمی سے بچے کے بارے میں پوچھتی پھرتی تھی۔ بالآخر اس کا جگر گوشہ مل گیا۔ اس نے لپک کر اسے سینے سے لگایا۔ مگر اسے یقین نہ آتا۔ وہ بار بار اس کا منہ دیکھتی اور اسے پیار کرتی۔ ہر شخص اس کی اس کیفیت سے متاثر ہو رہا تھا۔ عین اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ ''کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟'' سب نے عرض کیا ''نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتی کیونکہ اسے اپنے بیٹے سے بے انتہا محبت ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں سے اسی طرح محبت ہے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے بندے دوزخ کی آگ میں جلیں۔''

طویل سے طویل تقریر بھی محبتِ الٰہی کے بارے میں وہ اثر پیدا نہ کر سکتی تھی جو اس فقرے نے اس نفسیاتی ماحول میں پیدا کیا۔

مرسلہ ...... نوشین شیخ، نواب شاہ۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

عدیل احمد عدی

کراچی

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عربوں تک خدا کا پیغام پہنچایا تو اس وقت پورے عرب کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے ۔ مرد اور عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے تکلیف دیتے تھے ان دنوں ایک بوڑھی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہتی تھی۔

وہ اپنے گھر کی گندگی اور کچرا جمع کر کے رکھتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف جاتے ہوئے وہاں سے گزرتے، اس وقت وہ گندگی اور کچرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پھینک دیتی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے خراب ہو جاتے تھے ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کسی نے کچرا نہیں پھینکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بوڑھی عورت نظر کیوں نہیں آئی؟ معلوم کرنے پر صحابہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ وہ بڑھیا بیمار ہو گئی ہے۔

یہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دم عورت کی خیریت معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر گئے۔ اور بہت محبت اور ہمدردی سے اس کی تیمار داری کی۔ بڑھیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک دیکھ کر حیران رہ گئی اور اپنی روزانہ کی اس حرکت کو یاد کر کے شرمندہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کا بڑھیا پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی۔

ہاں یہ میرا بیٹا ہے

رفعت اشتیاق

فوجی جوان نے ٹرک میں اُتاری ہوئی اس لاش کی طرف دیکھا اور پھر بوڑھی عورت سے کہا۔

"ماں جی یہ آپ کے بیٹے کی لاش ہے؟"

"نہیں یہ میرا بیٹا نہیں تھا، لیکن......" بوڑھی عورت نے کہا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکی۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"پہلے تم بتاؤ...... یہ کس طرح شہید ہوا؟" بڑھیا بولی۔ "اس نے دشمن کی فوج سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سینے پر گولی کھائی ہے۔ اسے فوجی اعزاز کے ساتھ رخصت کیا گیا...... لیکن فوج کے ریکارڈ میں اس کے صرف گاؤں کا نام تھ ...... گھر کا پتہ درج نہیں تھا...... فوج میں بھر ہوتے وقت اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے گھر کا پ نہیں لکھوانا چاہتا...... صرف گاؤں کا نام لکھوا چاہتا ہے اس کی شہادت کے بعد گاؤں تک پہنچانے کی ڈیوٹی میری لگائی گئی، چنانچہ میں ا یہاں لے آیا ہوں، گاؤں میں سب لوگوں پوچھا تو انہوں نے آپ کا نام بتایا کہ وہاں جاؤ۔ اب آپ کہتی ہیں کہ یہ آپ کا بیٹا نہیں تو آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

بڑھیا کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "یہ نوجوان جواب شہید ہو چکا ہے، اس سے پہلے ایک پیشہ ور مجرم تھا، چوریاں کرتا رہتا تھا، میرا بھی ایک بیٹا تھا جو فوج میں ملازم تھا وہ لڑتا ہوا شہید ہو گیا، یہ دونوں آپس میں بہت گہرے دوست تھے، لیکن میرا بیٹا یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا دوست ایک پیشہ ور مجرم ہے۔ میں اپنے بیٹے سے ہر بار یہی کہتی کہ تم اس سے دوستی ختم کر لو۔ وہ اچھا لڑکا نہیں ہے، جبکہ تم نے اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی ہے تو تم ایسے لڑکے سے دوستی نہ رکھو۔"

لیکن وہ ہر بار مجھ سے یہی کہتا کہ "نہیں ماں تم اسے غلط سمجھتی ہو۔ وہ ایسا لڑکا ہرگز نہیں ہے۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ بلکہ وہ آپ کا بھی بیٹا ہے۔ میں اسے سمجھاتا رہتا ہوں۔ اللہ اسے ایک دن ضرور ہدایت دے گا۔" لیکن پھر بھی میں اسے سمجھاتی تھی پھر جنگ چھڑ گئی تو میرا بیٹا محاذ پر چلا گیا۔ ایک روز وہی دوست میرے بیٹے کو بلانے کے لئے آیا ہی تھا کہ دور سے آتے ہوئے کسی نوجوان نے مجھ سے کہا کہ آپ کا بیٹا دشمن فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو چکا ہے۔ میں اپنے بیٹے کی شہادت کا سنتے ہی گر کر بے ہوش ہو گئی جب ہوش آیا تو لوگ مجھے تسلیاں دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ کا بیٹا مرا نہیں زندہ ہے ...... شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ تب میں نے دیکھا کہ نوجوان کو ایک جھٹکا سا لگا شاید وہ دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے دوست نے اسلام کی خاطر اپنی جان دے دی ہے اور وہ ہے کہ جرم کرتا رہتا ہے اور زندہ ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی نظروں میں مُردہ ہے۔

وہ اسی لمحے وہاں سے چلا گیا اور فوراً فوج میں بھرتی ہو گیا۔

اس نے اپنے گھر کا پتہ دینے کے بجائے میرے گاؤں کا پتہ اس لئے دیا تاکہ اس کی لاش مجھ تک پہنچے اور مجھے معلوم ہو جائے کہ اس نے بُرائی سے توبہ کر لی ہے اور میرے بیٹے کی طرح بہادری سے لڑتے ہوئے اپنی جان دی ہے۔

بوڑھی عورت ایک لمحے کے لئے رُکی۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی پھر وہ روتے ہوئے بولی۔

"ہاں یہ میرا بیٹا ہے اور آج میں محسوس کر رہی ہوں کہ آج میرا بیٹا دوسری بار شہید ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ شہید بیٹے پر جُھک گئی۔ فوجی جوان نے دیکھا بوڑھی عورت کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں.....!!

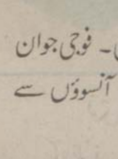

مرسلہ
عمار
کراچی

○ — ہیبت ناک دشمن سے زیادہ خطرناک وہ ہے جو دوست بن کر دھوکہ دے۔

○ — حق پر رہنے والے اگرچہ تعداد میں کم ہوتے ہیں مگر قوت میں بہت زیادہ۔

○ — خلوص ایک انمول موتی ہے، جو آج کل کی دنیا میں کم ہے۔

محمد حسن سروش، نوابشاہ

پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے۔ یہ ایک اور دو کے تناسب میں شامل ہوتی ہیں جب کہ وزن میں ان کا تناسب آٹھ اور ایک ہے۔ یہ صفر درجے سینٹی گریڈ پر برف میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ۱۰۰ درجے سینٹی گریڈ پر ابلنے لگتا ہے۔ دنیا میں موجود پانی کا صرف ۱۶ فیصد حصہ پینے کے قابل ہے! اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام اشیا اس میں بخوبی حل پذیر ہو جاتی ہیں۔ پانی روئے زمین پر بخارات کی شکل میں بھی ہوا میں پایا جاتا ہے۔ اور بادل بن کر فضا میں اڑتا پھرتا ہے۔ پانی، ٹھوس، مائع اور گیس، تینوں

حالتوں کو اختیار کر سکتا ہے۔ خالص پانی بے بو ہوتا ہے۔

انسانی جسم کا تقریباً ۷۰ فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ جسم کے درجہ حرارت کو مناسب حد تک قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے اس کے علاوہ ہر جاندار کے اجزائے ترکیبی میں اس کا شامل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ (ترجمہ) ہم نے ہر شے کو پانی سے وجود بخشا۔ (الانبیا ۳۵)

اس کا مطب ہے کہ زندگی اپنے وجود اور بقا کے لئے پانی کی محتاج ہے۔ پانی کے حصول کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ بارش ہے۔ بارش کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حق میں اپنی رحمت قرار دیا۔ آب زم زم سے کون واقف نہیں، یہ چشمہ جس سے آب زم زم نکلتا ہے خانہ کعبہ سے تقریباً ۳۳ گز کے فاصلے پر واقع ہے اور تقریباً ۶۹ گز گہرا ہے۔ عام پانی کو اگر کسی چیز میں بند کر کے کچھ دنوں کے لئے

رکھ لیا جائے تو وہ خراب ہو جاتا ہے، جب کہ آب زم زم چاہے جتنی دیر کے لئے رکھ لیا جائے یہ خراب نہیں ہوتا، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک کھلی نشانی ہے۔ قرآن پاک میں کئی جگہ پانی کا ذکر آیا ہے:

(۱) "اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی ......" (فرقان ۵۴)

(۲) "اور پتھروں میں کچھ تو وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں کہ جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے۔" (البقرۃ ۷۴)

(۳) "اور اس (جہنم) میں انتہا کے کھولتے ہوئے پانی ہیں۔" (الرحمٰن ۴۵)

روز قیامت جب لوگ گرمی اور تکلیف سے بلک رہے ہوں گے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہر کوثر کا پانی لوگوں کو بھر بھر کر پیالے عطا فرمائیں گے۔ یہ وہ نہر یا چشمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورہ کوثر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہے۔۔ جو بھی اس نہر کے پانی کو پئے گا اس کی تمام تکالیف جو اسے روز قیامت ہوں گی ختم ہو جائیں گی۔ مگر یہ پانی صرف ان ہی لوگوں کو ملے گا جو کہ نیک اور جنتی ہوں گے۔ ایک اور نہر ہے جنت کی اس کا نام "سلسبیل" ہے۔ اس کے پانی سے بھی جنتی لطف اندوز ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ پانی اس دنیا کے بعد کی زندگی میں بھی اہمیت رکھتا ہے۔

پانی مختلف ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے جن میں بارش کا پانی، سمندروں کا پانی، دریاؤں اور جھیلوں کا پانی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر صفات سے نوازا ہے کہ سمندر میں مچھلیاں اور دوسرے جانور انتہائی سردی کی صورت میں بھی زندہ رہتے ہیں۔ جو پانی ہم پیتے ہیں اس کا صاف ہونا بھی بہت ضروری ہے اگر پانی میں کوئی مضر چیز ملی ہو تو کئی قسم کی بیماریاں بھی ہو سکتی ہیں مثلاً ہیضہ، پیٹ کے کیڑے وغیرہ۔ پانی جہاں کئی بیماریوں کا موجب بنتا ہے وہاں اس سے بہت سے فائدے بھی لئے جاتے ہیں خصوصاً پن بجلی گھر چلانے اور آبی علاج کے سلسلے میں یہ قدرت کا انمول تحفہ ہے۔ اس کے علاوہ برتن دھونے ہوں، پودوں کو پانی دینا ہو، کھانا پکانا ہو، نہانا ہو، کپڑے دھونے ہوں غرض کہ اسے بہت جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔ پانی ہماری زندگی میں ہر جگہ شامل ہے، یہاں تک کہ ہماری زبان میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ کئی محاورے پانی سے متعلق ہیں۔

پانی پانی ہونا (شرمندہ ہونا) چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا، خون پانی ہونا، گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا اور پانی پھیرنا وغیرہ۔

"ارے ...... آپ کہاں جا رہے ہیں؟ پانی پینے ...... بھئی ہمارا مضمون اتنا خشک تو نہیں تھا کہ آپ جناب کو پیاس ہی لگنے لگی ......!!

نہ پکّے ہو نہ کچّے ہو

محمد شہزاد خان کستوری

نہ پکّے ہو نہ کچّے ہو
نہ جھوٹے ہو نہ سچّے ہو
نومی تم کیسے بچّے ہو
کہ دالوں دال کچّے ہو

پڑھائی میں تم زیرو ہو
مگر کہنے کو ہیرو ہو
نومی تم کیسے بچّے ہو
کہ دالوں دال کچّے ہو

ہو گندے بچّوں کے لیڈر
وہ تم سے رہتے ہیں ڈر کر
نومی تم کیسے بچّے ہو
کہ دالوں دال کچّے ہو

نہیں خوش تم سے ٹیچر بھی
سبھی ناراض گھر پر بھی
نومی تم کیسے بچّے ہو
کہ دالوں دال کچّے ہو

دوستی

عارش اللہ خان، ایبٹ آباد

جانوروں اور پودوں کی تعداد کئی سال تک ایک ہی رہتی ہے۔ بہت سے عوامل ان کی آبادی کو مناسب حد میں رکھتے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ خوراک کی مقدار اکثر محدود رہتی ہے، پس جانور زیادہ ہوں گے تو خوراک کم مہیا ہو گی۔ اگر جانوروں کی کسی بھی قسم کی تعداد کچھ وجوہات کی بنا پر اچانک بڑھ جائے تو ان کے شکاریوں کی تعداد بھی بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح جانوروں کی اس قسم کی تعداد بھی پھر مُناسب حد تک آجاتی ہے۔

کبھی کبھی یہ توازن برقرار نہیں رہتا اور جانوروں کی آبادی بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی تو یہ انسانی زندگی کو بھی مُتاثر کرتے ہیں۔ مگر عموماً انسان ان کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

بہت سے حشرات پودوں پر پلتے ہیں۔ کچھ جنگلوں میں پودے ایک دوسرے سے زیادہ فاصلے پر ہوتے ہیں پس حشرات ایک پودے سے دوسرے پودے تک، نہیں پہنچ پاتے اور ان کی آبادی برقرار رہتی ہے۔

مگر حشرات ایسی جگہ تلاش کرتے ہیں جہاں ان کے کھانے کے لئے پودے وافر مقدار میں ہوتے ہیں تو اس کی آبادی جلد ہی بڑھ جاتی ہے۔ انسان اکثر وسیع علاقوں پر فصلیں کاشت کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں حشرات فصلوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور وبائی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ انسان اکثر فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کو کیمیاوی دواؤں کا اسپرے کر کے کنٹرول کر لیتا ہے۔ خرگوشوں کو "سائیکسو ماٹوس" (Myxom-atosis) کی بیماری لگا کر کنٹرول کیا جاتا ہے جو کہ پسو سے داخل ہوتی ہے۔ ان کئی سالوں میں خرگوش کو اس بیماری سے کنٹرول کیا گیا ہے۔

بلا عنوان

یاسر احمد کراچی

"ناصر .... ناصر ...." بھیا نے مجھے آواز دی۔

"کیا ہے بھیا .... جب بھی کھیلنے بیٹھتا ہوں کوئی کام بتانے لگ جاتے ہیں۔" میں نے جھنجھلا کر کہا اس وقت میری نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور میں اٹاری گیم میں "کار چیزنگ" کھیل رہا تھا۔ میری گاڑی پانچ گاڑیوں سے ٹکرا چکی تھی۔ اس کا ایندھن ختم ہو چلا تھا اور گاڑی پھٹنے میں صرف بیس سیکنڈ باقی رہ گئے تھے۔ میری گاڑی سے آگے دو گاڑیاں جا رہی تھیں ان دو گاڑیوں سے آگے فیول کی گاڑی تھی جس سے مجھے ایندھن لینا تھا۔ میں ان دو گاڑیوں کو اوور ٹیک کر کے ایندھن والی گاڑی پکڑنا ہی چاہتا تھا کہ بھیا نے میرا کان پکڑ کر گیم کا کنٹرول میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

"یہ لو دس روپے اور دوڑ کر بازار سے سموسے لے آؤ..... میرے دوست آئے ہوئے ہیں..... تمہارے حصے کا گیم جب تک میں کھیل رہا ہوں۔"

"میں جب بھی کھیلنے بیٹھتا ہوں آپ کو کوئی نہ کوئی کام یاد آ جاتا ہے۔"

میرے اس جملے کے مکمل ہوتے ہی میری کار ایک دھماکے سے پھٹ گئی اور میوزک بجنے کے ساتھ ہی "گیم اوور" کے الفاظ اسکرین پر نمایاں ہو گئے۔

"کھیلنا بھی نہیں آتا ہے تمہیں ..... جاؤ بھئی!

جلدی سے لاؤ سموسے۔" بھیّا نے نئے سرے سے گیم کھیلنا شروع کر دیا لیکن اس سے پہلے انہوں نے چیخ کر بجیا کو بھی اطلاع کر دی کہ ان کے دوست آ گئے ہیں وہ جلدی سے چائے بنا لیں۔

"بھائی صاحب! یہ گھر ہے کوئی ہوٹل نہیں۔ آپ اپنے دوستوں کی یہ چائے کی عادت چُھڑائیے۔" بجیا نے چائے بنانے سے پہلے بھیا کو جھاڑ پلانا مناسب سمجھا۔

"اچھا! اچھا چھڑا دیں گے چائے کی عادت ابھی تو آپ "فنٹاسٹک" سی گرما گرم چائے بنا دیجیے۔"

"اے! یہ کون موا چائے بنوا رہا ہے ...... معلوم نہیں ہے چینی کتنی مہنگی ہو گئی ہے مہنگائی تو کمر توڑ ہی رہی ہے ہماری تمہارے دوست بھی توڑیں گے۔" اسی وقت لاٹھی ٹیکتی ہوئی کمرے میں دادی اماں داخل ہوئیں۔

دادی اماں کو دیکھتے ہی بھیا نے گیم بند کیا اور ڈرائینگ روم میں چلے گئے۔ وہ دادی اماں کے لیکچرز سے بہت گھبراتے تھے۔ گھبراتے تو ہم بھی ہیں۔ بجیا کا خیال ہے کہ دادی اماں کو تو یونیورسٹی میں لیکچرار ہونا چاہئے۔

بھیّا کے مُفت خورے دوست جب کھاپی کے چلے گئے تو ہم اپنے کمرے میں آ گئے امی جان نے اٹاری گیم بند کر دیا تھا۔ چوں کہ اب ہمارے پاس اور کوئی کام نہیں تھا اس لئے ہم کوئی زبردست قسم کی کہانی لکھنے کا سوچنے لگے پھر ہم نے کاپی قلم سنبھالا اور ایک کہانی لکھی جس کا نام ہم نے "تین دوست" رکھا اور پھر یہ زبردست کہانی لفافے میں بند کر کے رسالے کے دفتر کے لئے پوسٹ کر دی کہ دیکھیں کب چھپتی ہے؟

☆ .... ☆

ایڈیٹر صاحب نے ایک لمبی سی جمائی لی پھر کہانی "تین دوست" میز پر پٹخ دی اور ٹانگیں پھیلا کر کرسی پر آرام کرنے لگے۔ یہ کہانی انہیں قطعاً پسند نہیں آئی تھی بلکہ آج کی ڈاک سے جتنی بھی کہانیاں آئی تھیں سب بور اور غیر معیاری تھیں۔ انہیں پڑھ کر ایڈیٹر صاحب کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ تمام کہانیاں انہوں نے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیں جب کہ "تین دوست" میز پر رکھ دی۔ "کیا خیال ہے چائے نہ پی لی جائے؟" انہوں نے سوچا پھر انہوں نے اپنی جیبوں کو کھنگالا تو صرف پانچ روپے ہی بر آمد ہوئے۔ یہ ان کی واپسی کا کرایہ تھا۔ "ٹھیک ہے آج چائے نہیں پیئوں گا۔" ایڈیٹر صاحب اپنے غصے کو پینے لگے جو بور قسم کی کہانیاں پڑھ کر انہیں آیا تھا۔

انہوں نے ایک بار پھر کہانی "تین دوست" اٹھائی اور اس پر ایک نوٹ لکھا "یہ ناصر کی کہانی ہے یہ ضرور چھپے گی۔"

اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایڈیٹر صاحب نے ریسیور اٹھایا پھر فون پر زور زور سے بات کرتے ہوئے بولے۔ "ہاں ہاں بے فکر رہو کہانی 'تین دوست' چھپ جائے گی بھانجے میاں!!"

بات چیت

آنکھ مچولی

مدینے کا سفر ہے

اور میں نم دیدہ نم دیدہ

ہونہار طالبہ ننھی مُنّی نعت خواں حِرا سجّاد

"جب میں ریڈیو پر نعتیں سُنتی اور ٹی وی پر نعت خوانوں کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شانِ اقدس میں نعتیں پڑھتا دیکھتی تو میرا دل بھی چاہتا کہ میں بھی پیارے نبیؐ سے اپنی عقیدت کا مظاہرہ کروں۔"

"ننھی مُنّی حِرا سجاد ہمیں دھیمے لہجے میں بتارہی تھیں اور ہم بڑی توجہ سے ان کی پیاری پیاری باتیں سُن رہے تھے۔

حِرا سجاد آر آر میموریل پبلک اسکول، لانڈھی میں آٹھویں جماعت کی ہونہار طالبہ ہیں اور بہت پیاری آواز میں نعتیں رسول مقبولؐ پڑھتی ہیں۔ ہم ان کا انٹرویو کرنے جب ان کے گھر پہنچے تو حِرا انٹرویو کے لئے بالکل تیار تھیں۔

آنکھ مچولی: دیکھیں بھئی! آپ کو ڈر تو نہیں لگ رہا ناں؟

حِرا سجاد: میں انٹرویو وغیرہ سے نہیں ڈرتی۔

آنکھ مچولی: ہم آپ سے نعت بھی سُن لیں گے۔

حرا سجاد: نعت بھی سُنا دوں گی۔
آنکھ مچولی: "اچھا بھئی انٹرویو شروع کرتے ہیں ہمارا پہلا سوال انٹرویو سے تھوڑا ہٹ کر ہے۔ یہ بتائیے کہ حمد اور نعت میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

حرا سجاد: (مسکراتے ہوئے) ارے! یہ تو بہت آسان سوال ہے اس کا جواب ہے حمد وہ نظم جو اللہ تعالیٰ کی تعریف میں بیان کی جائے جب کہ نعت پیارے نبیؐ کی شانِ اقدس میں بیان ہوتی ہے۔

آنکھ مچولی: سوال تو آسان ہی تھا...... خیر مشکل سوالات بھی پوچھیں گے آپ یہ بتائیے کہ آپ نے اپنی سب سے پہلی نعتِ رسولؐ کہاں پڑھی؟ اس نعت کے ابتدائی اشعار آپ کو یاد ہوں تو بھی بتائیے!

حرا سجاد: (سوچتے ہوئے) میں نے اپنی پہلی نعت...... اپنے گھر کے قریب واقع مدینہ سینٹر میں پڑھی۔ اسی سینٹر میں میرے استاد محترم وسیم صاحب بھی ہیں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی۔ اس نعت کے ابتدائی اشعار یہ تھے:

ایک رحمت کا اشارہ یا نبیؐ
سبز گنبد کا اشارہ یا نبیؐ

آنکھ مچولی: حرا یہ بتائیے کہ آپ اب تک کتنے نعتیہ مقابلوں میں حصّہ لے چکی ہیں؟

حرا سجاد: (سوچتے ہوئے) اب تک میں پچاس سے زائد نعتیہ مقابلوں میں حصّہ لے چکی ہوں۔

آنکھ مچولی: ان مقابلوں میں پوزیشن وغیرہ آئی آپ کی؟

حرا سجاد: جی ہاں! اول، دوئم، سوئم اور کبھی کوئی پوزیشن نہیں کیوں کہ وہاں بہت اچھے اچھے پڑھنے والے آئے ہوئے تھے۔

آنکھ مچولی: اچھا یہ بتائیے آپ کی پہلی نعت کو پہلا انعام کہاں ملا؟

حرا سجاد: آل مقابلہ نعت خوانی جو لانڈھی کورنگی میں منعقد ہوا اس میں میری نعت کو سراہا گیا اور اس مقابلے میں، میں اوّل آئی۔

آنکھ مچولی: لوگوں کی آواز اچھی ہو تو وہ گانا گانے لگتے ہیں۔ آپ نے نعت پڑھنے ہی کو کیوں ترجیح دی؟

حرا سجاد: اسلام میں ناچ گانے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اس کام میں کوئی فائدہ نہیں جب کہ نعت خوانی میں دو بڑے فائدے ہیں۔

آنکھ مچولی: (حیران ہو کر) کون سے دو بڑے فائدے؟

حرا سجاد: ایک فائدہ تو یہ ہے کہ حضورؐ کی شانِ اقدس میں کچھ بیان کرنا کارِ ثواب ہے جب کہ دوسرا بڑا فائدہ

یہ ہے کہ نعت خوانی سے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔
آنکھ مچولی: ہاں بھئی! یہ بات تو واقعی بہت اچھی بتائی آپ نے یہ بھی بتایئے کہ نعت خوانی میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

حرا سجاد: (سوچتے ہوئے) نعت کے اشعار حضورؐ کی شان میں ہونے چاہئیں۔ نعت کسی گانے کی طرز پر نہ ہو...... نعت پڑھتے ہوئے آپ کی ساری توجہ حضورؐ کی شان و عقیدت میں ہونی چاہیے یعنی آپ کا ذہن کہیں اور نہ ہو۔ نعت پڑھتے ہوئے آپ باوضو ہوں تو یہ اور اچھی بات ہے۔

آنکھ مچولی: واہ بھئی! آپ کو تو اچھی اچھی باتیں معلوم ہیں اب آپ یہ بتایئے کہ نعت خوانی میں کن کن لوگوں نے آپ کی حوصلہ افزائی کی؟

حرا سجاد: میرے امی ابو...... میرے محترم اُستاد سید وسیم احمد صاحب اور بھی گھر میں دوسرے لوگوں نے بے حد حوصلہ افزائی کی۔

آنکھ مچولی: اپنی پسندیدہ نعت اور پسندیدہ نعت خوانوں کے نام بتا سکتی ہیں آپ؟

حرا سجاد: خورشید احمد، وحید ظفر قاسمی، مظفر وارثی اور وسیم احمد صاحب میرے پسندیدہ نعت خواں ہیں جب کہ نعتوں میں ''فاصلوں کو تکلف ہے ہم سے اگر'' اور''مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ'' میری پسندیدہ نعتیں ہیں۔

آنکھ مچولی: اچھا بھئی! ابھی تو آپ آٹھویں جماعت میں ہیں........... پڑھ لکھ کر کس شعبے میں جانے کا ارادہ ہے؟

حرا سجاد: میں میڈیکل کے شعبے میں جانے کا ارادہ رکھتی ہوں آپ بھی میرے لئے دعا کیجئے۔

آنکھ مچولی: انشاءاللہ! آپ محنت سے پڑھیں گی تو ضرور ڈاکٹر بنیں گی...... ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں...... پڑھائی کے ساتھ ساتھ مستقبل میں کیا نعت خوانی کو جاری رکھیں گی؟

حرا سجاد: ہاں جی! پیارے نبیؐ سے یہ عقیدت و محبت تو جاری رہے گی۔

آنکھ مچولی: نعتیہ مقابلوں میں تو آپ کی پوزیشن آتی رہتی ہے کبھی پڑھائی وغیرہ میں بھی پوزیشن آئی آپ کی یا بس ایسے ہی پاس ہو جاتی ہیں آپ؟

حرا سجاد: (مُسکراتے ہوئے) جی نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں! پڑھائی لکھائی میں بھی میری پوزیشن آتی رہتی ہے اول دوئم تو کبھی سوئم ویسے اب میں زیادہ محنت سے پڑھوں گی کہ آگے مجھے میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنی ہے اور وہاں تک پہنچنے کے لئے بہت اچھے نمبر چاہیے ہوتے ہیں۔

آنکھ مچولی: ہم نے کہا تھا ناں کہ کبھی کبھی ہم کوئی مُشکل سا سوال بھی پوچھ لیتے ہیں...... پوچھ لیں ایک

حِرا نعت رسول مقبولؐ پیش کرتے ہوئے

حرا اپنے انعام کے ساتھ

مشکل سوال؟

حرا سجاد: (مسکراتے ہوئے) پوچھ لیجئے اگر مجھے اس کا جواب نہیں آئے گا تو آپ بتا دیں گے اور اس طرح میری معلومات میں اضافہ ہی ہو گا۔

آنکھ مچولی: سوال آپ کی فیلڈ سے ہی متعلق ہے ...... آپ یہ بتائیے کہ پیارے نبیؐ کی شانِ اقدس میں سب سے پہلی نعتِ مقبولؐ کس صحابی رسولؐ نے کہی؟

حرا سجاد: (کافی دیر سوچنے کے بعد) نہیں اس کا جواب مجھے نہیں معلوم۔

آنکھ مچولی: ارے! یہ تو بہت آسان سوال تھا۔

حرا سجاد: لیکن مجھے تو مشکل لگ رہا ہے۔

آنکھ مچولی: چلئے کیا یاد کریں گی آپ بھی آپ کی معلومات میں اضافے کے لئے بتا رہے ہیں کہ حضورؐ کی شانِ اقدس میں سب سے پہلے نعتِ رسولِ مقبولؐ پیارے نبیؐ کے ایک صحابی حضرت حسّان بن ثابتؓ نے کہی۔

حرا سجاد: یہ تو آپ نے بڑی اچھی بات بتائی۔ اب مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔

آنکھ مچولی: آنکھ مچولی آپ کو کیسا لگتا ہے؟

حرا سجاد: یہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں چھپنے والی تحریریں دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام اور پاکستان کے حوالے سے ہوتی ہیں۔

عرفی میاں ادیب بنے

محمد رضوان محمود
کراچی

"حرفوں کو جوڑیں تو ایک لفظ بنتا ہے...... الفاظوں کو ملائیں تو ایک جملہ اور ایک سے زائد جملوں کو جمع کر کے لکھیں تو تحریر بنتی ہے۔"

یہ کلمات بچوں کے مقبول مصنف اشفاق احمد نے ایک تقریب میں کہے تھے جو بچوں ہی کے نوجوان ادیبوں کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ اشفاق احمد ملک بھر میں بچوں کے پسندیدہ مصنف تھے۔ وہ کافی عرصے سے بچوں کے لئے کہانیاں اور ناولز لکھ رہے تھے۔ عارف میاں کو بھی کہانیاں لکھنے کا شوق تھا لیکن آج تک ان کی کوئی کہانی نہ چھپی تھی۔ وہ مختلف رسالوں میں اپنی لکھی ہوئی کہانیاں بھیجتے رہتے تھے۔ وہ آٹھویں میں پڑھ رہے تھے اور آج انہیں بچوں کی تقریب میں آکر بے حد خوشی ہوئی تھی۔

"عرفی کہو...... تقریب کیسی رہی؟" بڑی آپا نے عرفی سے پوچھا جن کا پورا نام عارف احمد تھا۔

"بہت زبردست آپا یہ دیکھئے میں اپنے پسندیدہ مصنف اشفاق احمد سے ان کا آٹو گراف بھی لایا ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ ایک اچھا ادیب کس طرح بن سکتے ہیں تو انہوں نے میری آٹو گراف بک پر صرف ایک جملہ لکھ دیا۔"

"اچھا ...... دکھاؤ تو ذرا کیا لکھا ہے انہوں نے؟" آپا نے کہا اور پھر بڑے اشتیاق سے آٹو گراف بک دیکھنے لگیں جہاں لکھا تھا۔

"ادیب بننے کے لئے آپ کے پاس دل کا ہونا ضروری ہے۔"

"آپا اس جملے کا مطلب تو میری سمجھ میں نہیں آیا...... آپ سمجھا دیجئے۔"

اس سے پہلے کہ آپا کچھ کہتیں ابا جان آفس سے آ گئے۔ "بھئی گرم گرم چائے تو پلوا دو...... بہت تھک گیا آج تو میں۔" انہوں نے جوتے موزے اتارتے ہوئے کہا۔

"ابو کی فرمائش سُن کر آپا تو چائے بنانے چلی گئیں اور عارف میاں اپنے کمرے میں سدھارے۔

رات کو عشا کی نماز کے بعد جب آپا گھر کے کام دھندوں سے فارغ ہوئیں تو عارف میاں ان کے کمرے میں جا دھمکے اور آٹوگراف والی بات کا مطلب پوچھنے لگے۔ آپا نے کہا۔ "یہ تو نہایت آسان سی بات ہے۔ آپ کے پاس دل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسروں کی تکالیف کو سمجھیں سکیں اور انہیں دور کرنے کے لئے کچھ کر سکیں آپ اپنے گرد و پیش ہونے والے واقعات پر نظر رکھتے ہوئے اسے دل سے محسوس کر سکیں تو قلم کے ذریعے صفحات پر منتقل بھی کر سکتے ہیں اور اصل چیز یہی ہے کہ سچائی کو اجاگر کیا جائے۔"

آپا ایک لمحے کو خاموش ہوئیں پھر دوسرے ہی لمحے اپنے سر پر ہاتھ مار کر بولیں۔ "افوہ میں بھی کیا مشکل مشکل باتیں لے کر بیٹھ گئی ہوں یہ باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

لیکن کچھ باتیں عارف میاں کی سمجھ میں آ گئیں اور ایک دن اچانک انہوں نے ایک کہانی لکھ ڈالی پھر مزے کی بات یہ ہوئی کہ ان کی بھیجی ہوئی کہانی بچوں کے رسالے میں چھپ بھی گئی۔ یہ کہانی کچھ یوں تھی۔ درخت سے چڑیا کا ایک بچہ گر پڑا تھا۔ اس کے ماں باپ اس کے قریب بے چینی سے منڈلا رہے تھے۔ کیونکہ وہ اسے اٹھا کر گھونسلے میں نہیں لے جا سکتے تھے۔ چڑے چڑیا کی بچے سے محبت دیکھ کر فرقان میاں بہت متاثر ہوئے۔ "مجھے ان کی مدد کرنی چاہئے۔" فرقان میاں نے جلدی سے سوچا۔ اور پھر بچے کو نہایت احتیاط سے اٹھا کر درخت پر چڑھے اور اسے گھونسلے میں رکھ دیا۔ جیسے ہی فرقان درخت سے نیچے اترے بچے کے ماں باپ بچے کے پاس چلے گئے

ابو نے فرقان کو جب نیا بیٹ دلایا تھا باجی نے جب سالگرہ پر انہیں فاؤنٹین پین کا تحفہ دیا تھا اور ماموں نے جب باہر سے سنہری دستی گھڑی بھیجی تھی تب بھی فرقان میاں کو اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی چڑے چڑیا کی مدد کرنے سے حاصل ہوئی تھی۔

کہانی یہاں آ کر ختم ہو گئی تھی۔ گھر میں سب کو عرفی میاں کی یہ کہانی بہت پسند آئی لیکن آپا کو یہ بہت ہی اچھی لگی۔ کہانی پڑھ کر انہوں نے عرفی میاں کو شاباشی دی اور کہا۔ "اب تو آپ سچ مچ ادیب بن گئے اور یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ "ادیب بننے کے لئے آپ کے پاس دل کا ہونا کیوں ضروری ہے؟"

شیر آنکھ مچولی میں

سید امین خان، ضلع دیر

"شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔" سلطان ٹیپو کا یہ جملہ تاریخ کے اوراق میں آج بھی زندہ ہے اور روئے زمین پر جب تک لوگ رہیں گے یہ جملہ اسی طرح زندہ رہے گا۔

شیر ہمارے ہاں بہادری کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے آپ نے یقیناً دیکھا ہو گا ...... تصویروں میں، فلموں میں اور ہو سکتا ہے آپ کبھی چڑیا گھر گئے ہوں تو وہاں آپ نے اسے بالکل قریب سے دیکھا ہو مگر ڈرتے ڈرتے ......!!

شیر ہوتا ہے ہیبت ناک اس لئے جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے حالاں کہ اب بادشاہوں کا زمانہ نہیں رہا اب تو ہر جگہ جمہوریت رائج ہے لیکن شیر کو جمہوریت سے کیا وہ اب بھی جنگل کا بے تاج بادشاہ ہے۔ شیر دنیا کے مختلف ممالک بخارا، چین، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، برطانیہ، امریکہ، افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ عموماً دن کے وقت سوتا اور رات کے وقت شکار کی تلاش میں نکلتا ہے۔ افریقہ کا شیر "ببر" کہلاتا ہے یہ گھنے جنگلوں میں پایا جاتا ہے۔ پہاڑی علاقوں کے شیر کوہ اور چٹانوں کے کھوکھلے حصّوں میں رہتے ہیں۔

شیر کی عمر عموماً پچّیس سے لے کر تیس سال تک ہوتی ہے۔ شیر کے بچے صرف تین سال میں ہی جوان ہو جاتے ہیں۔

شیر اپنا شکار خود کرتا ہے۔ اس کے پنجے اور دانت نوکیلے تیز ہوتے ہیں جس سے یہ منٹوں میں اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ گوشت کے

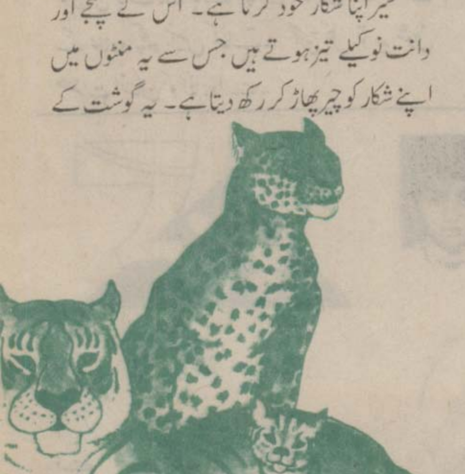

علاوہ کچھ اور نہیں کھاتا۔

شیر کی دوڑنے کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ بھاگتے ہوئے یہ **لمبی چھلانگ** اور جست بھی لگاتا ہے۔

شیر بوڑھا ہو جائے تو شکار کے قابل نہیں رہتا۔ دراصل بڑھاپا خود ایک بیماری ہے۔ آپ نے اپنے دادا ابا یا نانا ابا کو دیکھا ہو گا۔ وہ بوڑھے ہو کر کتنے کمزور ہو جاتے ہیں۔ شیر بھی بوڑھا ہو جائے تو اس کے بھاگنے دوڑنے میں کمی آ جاتی ہے، بینائی کم ہو جاتی ہے اور وہ سُست ہو جاتا ہے۔

شیر آدم خور بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسے شیر بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ ایک بار انہیں انسانی خون کی چاٹ لگ جائے تو پھر وہ انسانوں کے گوشت کے علاوہ کچھ نہیں کھاتے۔ آج کل تو یہ شوق حضرت انسان کو لگا ہوا ہے۔

شکاری شیر کا شکار کھیلتے ہیں۔ عموماً اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جن راستوں سے یہ گزرتا ہے وہاں گہرے گڑھے کھود دیئے جاتے ہیں اور ان پر گھاس پھونس بچھا دی جاتی ہے۔ پھر "ہانکا کرنے والے" ڈھول تاشے بجاتے ہوئے شیر کو وہاں تک لے جاتے ہیں اور شیر گڑھوں میں گر کر پکڑا جاتا ہے۔

زندہ پکڑے جانے والے شیر چڑیا گھروں کو سپلائی کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں انہیں بڑے بڑے پنجروں میں بند کر کے نمائش کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ بچے بوڑھے جوان چڑیا گھر کے اس شیر کو بڑے مزے مزے سے دیکھتے ہیں لیکن شیر پنجرے میں ہو تو گیدڑ نظر آتا ہے۔ اصل بہادری تو آزادی میں ہے اور ...... اور شیر جیسے دل والے ہی اپنی آزادی کی حفاظت کرتے ہیں گیدڑ نہیں!!

گڑیا

وسیم بن ضمیر، کراچی

گڑیا بیمار ہے
اس کو بُخار ہے
ڈاکٹر بُلاؤ
اسے ٹھیک کراؤ
دوائیں پلاؤ
انجکشن لگاؤ
اب گڑیا ٹھیک ہے
خوشیاں مناؤ

مُرغ کہانی

آصف اقبال، کراچی

خوب اکڑ کر چڑھ کھانچے پر
ہاں اب تن جا مُرغا بن جا
کھول پروں کو کھول میرے مُرغے
بول میرے مُرغے بول میرے مُرغے
ککڑوں کوں، ککڑوں کوں
بانگ ہے تیری کتنی اونچی
اس سے اونچا بول میرے مُرغے
بول میرے مُرغے بول میرے مُرغے
ککڑوں کوں، ککڑوں کوں

"کیا ہے ہر وقت تمہارے ذہن پر مُرغا سوار رہتا ہے...... اسکول میں ہر روز مُرغے تو نہیں بنتے؟" حماد نے معاذ سے کہا جو لہک لہک کر نظم پڑھ رہا تھا جبکہ ان کا چھوٹا بھائی فواد بھائی کی پڈھی (پیٹھ پہ) چڑھا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی تینوں بھائی مسہری پر "ریسلنگ" کھیل رہے تھے اور ان کی دھما چوکڑی سے مسہری کی چادر بے ترتیب ہو گئی تھی۔ "آپ ہی بنتے ہوں گے مرغا۔" معاذ نے غصے سے کہا۔ "اسی وقت ان کی چھوٹی بہن اریبہ تین پہیّوں والی سائیکل چلاتی ہوئی کمرے میں آئی۔ "اچھا ابھی جا کے امی کو بتاتی ہوں ...... آپ لوگوں نے کمرے کا کیا حال کر دیا ہے۔ شیطانی کر رہے ہیں۔"

"امی...... امی...... !!" اریبہ امی سے شکایت لگانے چلی گئی تو سب کچھ بھول بھال کر معاذ اور حماد جلدی جلدی کمرے کی ترتیب درست کرنے لگے۔ پھر امی کمرے میں آئیں تو کمرہ ترتیب میں آ چکا تھا۔ الٹا ہی اریبہ کو ڈانٹ پڑی کہ ہر وقت بھائیوں کی شکایت لگاتی رہتی ہو۔

معاذ کے ذہن پر مرغی کے چوزے سوار تھے جو اس نے چوری چُھپے خریدے تھے اور چھت پر کبوتروں کے خالی دڑبے میں چھپا دیئے تھے کہ امی جانور پالنے کے سخت خلاف تھیں۔ معاذ چھت پر جاتا تو انہیں دانہ دنکا ڈال دیتا اور پانی وغیرہ پلا کر چُپ چاپ نیچے آ جاتا لیکن ایک دن اریبہ کو پتا چل ہی گیا اور معاذ صاحب رنگے ہاتوں پکڑے گئے۔ امی کے سامنے ان کی پیشی ہوئی۔ "کس نے کہا تھا چوزے لانے کو؟"

"وہ...... وہ...... میرا دل چاہ رہا تھا۔"

"ضروری تو نہیں ہر بات کو آپ کا دل چاہے اور آپ وہی کریں۔"

"اب میری سمجھ میں آیا یہ ہر وقت مرغے والی نظمیں کیوں گاتے رہتے ہیں۔" حماد نے بیچ میں لُقمہ دیا۔

"آپ چپ رہیں جی۔" امی نے حماد کو بیچ میں بولنے پر ٹوکا اور پھر معاذ کو ڈانٹنے لگیں لیکن ابو بیچ میں آ گئے اور انہوں نے ان کی سفارش کر دی...... لیجئے صاحب! معاذ میاں کے مزے آ گئے۔ اب وہ اسکول سے آنے کے بعد تین پیارے پیارے چوزے اٹھائے پورے گھر میں دوڑتے پھرتے۔ "کُٹ کُٹ کُٹ اور چُوں چُوں چوں" کا شور گھر میں گونجتا رہتا اور کبھی کبھی تو انہیں امی سے ڈانٹ بھی پڑ جاتی۔

ابو نے چوزوں کے لئے نیا دڑبا بنا دیا اور چوزے اس میں رہنے لگے لیکن سردیاں آئیں تو ایک چوزہ سردی سے مر گیا جبکہ دوسرے کو بلی کھا گئی۔ معاذ کو دونوں چوزوں کے مرنے کا بے حد دُکھ ہوا پھر ان کی ساری توجہ بچنے والے واحد چوزے پر مرکوز ہو گئی۔

یہ چوزہ ان کی توجہ اور شفقت کے سائے میں دن بدن بڑا ہونے لگا۔ اور کچھ ہی دنوں بعد وہ ایک خوبصورت اور توانا مُرغا بن چکا تھا۔

معاذ نے اس کا نام "ہیرو" رکھا مرغا بہت ذہین تھا۔ اس کو اس کے نام سے پکارا جاتا تو دوڑا دوڑا آتا۔ مرغا پورے گھر سے مانوس تھا لیکن سب سے زیادہ معاذ سے پیار کرتا۔ معاذ بھی اس سے بہت محبت کرتے۔ اتنے بڑے مرغے کو گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتے۔ ان کے مرغے میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ کچھ فاصلے تک اڑتا تھا۔ حالانکہ مرغے اونچا اڑ نہیں سکتے ان کا مرغا دو منزل تک اُڑ سکتا تھا۔

ایک دن معاذ میاں سو کر اُٹھے تو ان کا دل اسکول جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ وہ بستر سے اُٹھتے ہی چھت پر گئے۔ مرغے کا دڑبا کھولا اور مرغے کو نکال کر خوب پیار کیا پھر منہ ہاتھ دھو کر اسکول چلے گئے۔ دوپہر میں معاذ میاں اسکول سے واپس آئے تو حماد اریبہ اور فواد نے انہیں یہ خوفناک اطلاع دی کہ ان کا مرغا اُڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔ یہ سن کر معاذ کے تو ہوش ہی اُڑ گئے۔ پورے محلے میں اپنے ہیرو کو تلاش کیا لیکن ہیرو کہیں نہ ملا۔ کئی دنوں تک تو معاذ ٹھیک سے کھانا بھی نہ کھا سکے اور مُرغے کے غم میں دُبلے بھی ہو گئے........... پھر ابو نے انہیں سمجھایا کہ ”سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ مُرغا بھی اللہ کا تھا اس لئے صبر کرنا چاہئے۔ اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

ابو کی یہ بات معاذ میاں کی سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے صبر کر لیا لیکن اب بھی جب وہ اسکول سے آتے ہیں تو گلیوں میں دانے چُگتے مُرغے مُرغیوں کو دیکھ کر انہیں اپنے ”ہیرو میاں“ یاد آ جاتے ہیں۔

نہ جانے کہاں ہوں گے ان کے ہیرو میاں؟

یہ شعر مجھے پسند ہے

قارئین کے منتخب اشعار

صورت کی دیوانی دنیا، من کے اندر جھانکے کیا
دل کو جو پہچان سکے وہ آنکھ کسی کے پاس نہیں
مرسلہ...... نہال احمد نہال، کراچی

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں ہم سے جدا ہوتے نہیں
مرسلہ...... زارا عالیہ، ڈیرہ اسماعیل خان

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کُچل دیتے ہیں آلات
مرسلہ...... خرم نذر وڑائچ، لاہور

وہ دوست چھوڑ گیا تو یقیں آیا
کوئی بھی دوست ضروری نہیں کسی کے لئے
مرسلہ...... سیف اللہ سیفی، بھکر

پھولوں سے زخم کھائے تو کانٹوں سے سی لئے
یہ بھی رفو گری کی انوکھی مثال ہے
مرسلہ...... مبشر اقبال، کراچی

ماں باپ سی نعمت کوئی دنیا میں نہیں ہے
حاصل ہو یہ نعمت تو جہاں خلدِ بریں ہے
مرسلہ...... گل بانو پرواز، تربت

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو
مرسلہ...... رافعہ امتیاز، کراچی

اس طرح تو ہوتا ہے

محمد اجمل انصاری

"مہنگائی کو تو صرف ایمان دار لوگ ہی ختم کر سکتے ہیں۔" ظاہر بھگوڑی کے والد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ وہ ٹھنڈی سانسیں اسی وقت لیتے تھے جب کہ ان پر مایوسی کی کیفیت طاری ہوتی تھی اور...... اور ہم نے کمپیوٹر پر موصول ہونے والے خُفیہ پیغام کو ان تک پہنچا کر انہیں مزید مایوس کر دیا تھا۔

ظاہر بھگوڑی کے والد عبدالمجید صاحب کا شمار "اندھیر نگر چوپٹ راج" کے چند قابل لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ تاریخ کے پروفیسر تھے اور مختلف زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ اخباروں میں ان کی فکر انگیز تحریریں چھپتی رہتی تھیں اور ملک بھر میں ان کی تحریروں کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا حالانکہ وہ سچ نہیں لکھتے تھے لیکن زیادہ جھوٹ بھی نہیں لکھتے تھے، بات کو ڈھکے چھپے الفاظ میں دوسروں تک پہنچانے کا گُر انہیں آتا تھا یہی وجہ تھی کہ انہیں سچ لکھنے کے جرم میں ابھی تک سزا نہیں ملی تھی۔

"ابو...... ابو ایمان دار لوگ کس طرح کے ہوتے ہیں؟" ظاہر بھگوڑی نے پوچھا اور اس کا یہ سوال سُن کر میں بھی اشتیاق بھری نظروں سے عبدالمجید صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔ اصل بات یہ تھی کہ جب سے ہم نے آنکھ کھولی تھی اپنے معاشروں میں کوئی ایماندار آدمی نہیں دیکھا تھا...... ایمانداری کی بات تو یہ تھی کہ ظاہر بھگوڑی کے والد عبدالمجید صاحب بھی ایماندار نہیں تھے۔ وہ خود کہتے کہ مجھے شروع سے بے ایمانی سکھائی گئی ہے میں کس طرح ایماندار بن سکتا ہوں میں اپنے ماتھے پر ایمانداری کا لیبل لگا کر کبھی "منافق" بننا پسند نہیں کروں گا۔"

ہم لوگ کچھ دیر تک عبدالمجید صاحب سے خُفیہ پیغام پر بات کرتے رہے پھر ان کے کوئی دوست آ گئے تو انھوں نے کہا۔ "بھئی اب تم لوگ باہر جا کر کھیلو لیکن ذرا احتیاط اور دیکھ بھال سے باہر نکلنا۔ دہشت گردوں نے فائرنگ اور لوٹ مار سے ملک کا ستیاناس کیا ہوا ہے لیکن یہاں تو سب ہی دہشت گرد ہیں اس ملک کے وزیر مُشیر سب ہی۔ ملک "آریکا" کو "پٹے" پر دے دیا ہے۔ خود کمیشن لے کر ایک طرف بیٹھ گئے ہیں۔ عوام کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ پہلے عوام گولیوں سے مر رہی تھی اب مہنگائی سے مر رہی ہے۔" اتنا کہہ کر انھوں نے ماتھے پر مایوسی کے عالم میں ہاتھ مارا اور بولے "اب تو اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہے۔"

[یہ] سُن کر میں بہت مایوس ہوا لیکن ظاہر بھگوڑی پر اس کے والد کی باتوں نے کافی اثر کیا۔ ہم دونوں گھر سے آ گئے۔ "آج کے بعد میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" ظاہر بھگوڑی نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے وہ یہ بات کئی دفعہ دہرا چکا تھا لیکن اس بار اس کا لہجہ اتنا سنجیدہ تھا مجھے یقین آ گیا کہ اب وہ واقعی جھوٹ نہیں بولے گا۔

شام کو ایک جگہ مشاعرہ تھا۔ بڑے بڑے شاعروں کو اس میں آنا تھا ہم لوگ مقررہ وقت پر جب مشاعرے میں پہنچے تو مشاعرہ شروع ہو چکا تھا اور شاعر حضرات باری باری اپنی نظمیں اور غزلیں پڑھ رہے تھے۔ ظاہر بھگوڑی میری برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اچانک بیٹھے بٹھائے نہ جانے اسے کیا ہوا ایکدم سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اسٹیج پر جا پہنچا۔ "آپ ایک طرف ہٹیے!" ظاہر بھگوڑی نے اسٹیج سیکریٹری کو ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف ہٹایا اور مائک سنبھال کر کہنے لگا۔

محترم سامعین! ہمارے ملک اندھیر نگری چوپٹ راج میں اس وقت تک اجالا نہیں آ سکتا جب تک سچ نہ بولا جائے۔ یہاں پر جتنے بھی لوگوں نے شاعری کی ہے مصلحتوں کا لبادہ اوڑھ کر کی ہے۔ میں آپ کو سچی شاعری سناؤں گا جس میں صرف اور صرف سچ ہو گا۔" اتنا کہہ کر ظاہر بھگوڑی نے شیروانی کی جیب سے ایک مُڑا تڑا کاغذ نکالا، اسے سیدھا کیا پھر کہا۔ "یہ نظم میں نے رات ہی میں لکھی ہے۔ میری یہ نظم آپ لوگوں کو یقیناً پسند آئے گی۔" ظاہر بھگوڑی نے ترنّم کے ساتھ نظم کو پڑھنا شروع کیا۔

دینا پڑے کچھ ہی ہرجانہ، سچ ہی لکھتے جانا
مت گھبرانا مت ڈر جانا، سچ ہی لکھتے جانا

باطل کی منہ زور ہوا سے جو نہ کبھی بجھ پائیں
وہ شمعیں روشن کر جانا، سچ ہی لکھتے جانا

پل دو پل کے عیش کی خاطر کیا دینا کیا جھکنا
آخر سب کو ہے مر جانا، سچ ہی لکھتے جانا
لوحِ جہاں پر نام تمہارا لکھا رہے گا یونہی
ظاہر سچ کا دم بھر جانا، سچ ہی لکھتے جانا

جونہی ظاہر بھگوڑی نے نظم ختم کی اس پر گندے انڈے اور ٹماٹر پڑنے لگے۔ پھر مجمع سے "پکڑو مارو........ جالب کی نظم پڑھتا ہے اپنی بتا کر...... جانے نہ پائے...... جھوٹا...... جھوٹا...... !!" کی آوازیں بلند ہوئیں اور پھر اس سے پہلے کہ مجمع ظاہر بھگوڑی پر ٹوٹ پڑتا، ظاہر بھگوڑی نے چپلیں اُ... ہاتھ میں پکڑیں اور اتنی تیزی سے دوڑا کہ ان کے خاندان میں کوئی جھوٹا بھی نہ دوڑا ہوگا......!

(جا...

میں کون ہوں؟

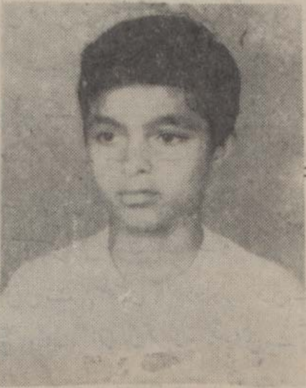

یہ تصویر ایک مشہور شخصیت کے بچپن کی ہے۔ آپ کو اتنا بتاتے چلیں کہ یہ کراچی میں پیدا ہوئے اور کھیلوں کے حوالے سے مشہور ہیں۔ اپنے جوابات ۱۲ر فروری تک اس پتے پر ارسال کیجیے:
"بتایئے میں کون ہوں؟"
قلم دوست، ماہنامہ آنکھ مچولی
ا۔ پی آئی بی کالونی، کراچی، پوسٹ کوڈ ۷۴۸۰۰

"مار گئی مہنگائی"...... "پاکستان خطرے میں ہے" ان عنوانات کے تحت منعقدہ کہانی مقابلے کی تاریخ بڑھا دی گئی ہے۔ اب آپ ۲۰ر فروری تک اپنی کہانیاں ہمیں ارسال کرسکتے ہیں۔ کہانی روانہ کرتے وقت لفافے پر "مقابلہ کہانی نویسی" لکھنا نہ بھولیے۔ اسی طرح "نام بھی انعام بھی" کی بلاعنوان کہانی کی تاریخ بھی بڑھائی جارہی ہے۔ اس کہانی کا جواب بھی آپ ۲۰ر فروری تک ارسال کرسکتے ہیں۔ درست حل روانہ کرتے وقت لفافے پر "نام بھی انعام بھی" لکھنا نہ بھولیے۔

نئی سہولت تو حبیب بناسپتی کی ہے

صارفین کی سہولت کے لئے آسانی سے کھُلنے اور
بند ہونے والا ڈھکنا
اور اس کے نیچے نرم فوائل
کی سیل جس کی بدولت
حبیب بناسپتی کی
اعلیٰ کوالٹی اور تازگی
آخر تک برقرار۔

بہتر تو تھا ہی اب سب سے بہترین

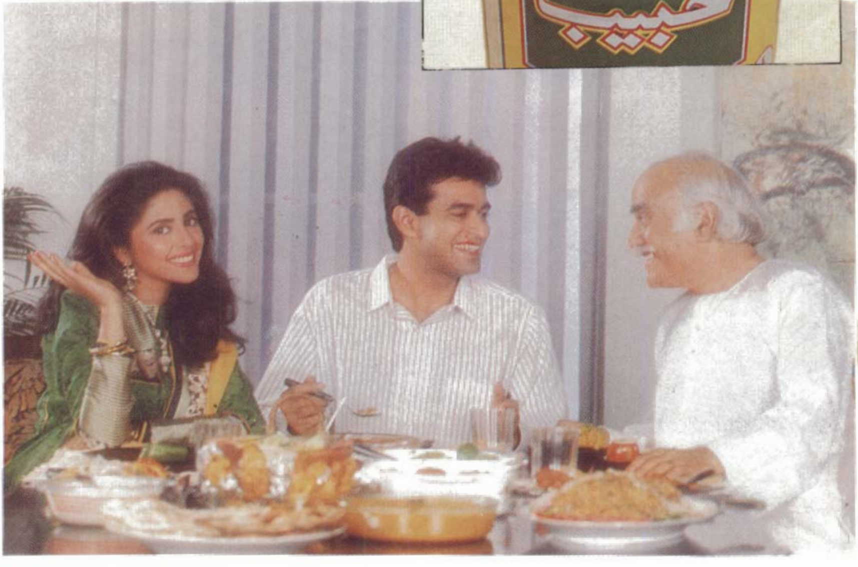

EGD. No. M-266 FEBRUARY 1995

MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

نہ وقت کا زیاں نہ انتظار کی زحمت
پاکستان میں روزانہ ۱۸۲ پروازوں کی سہولت

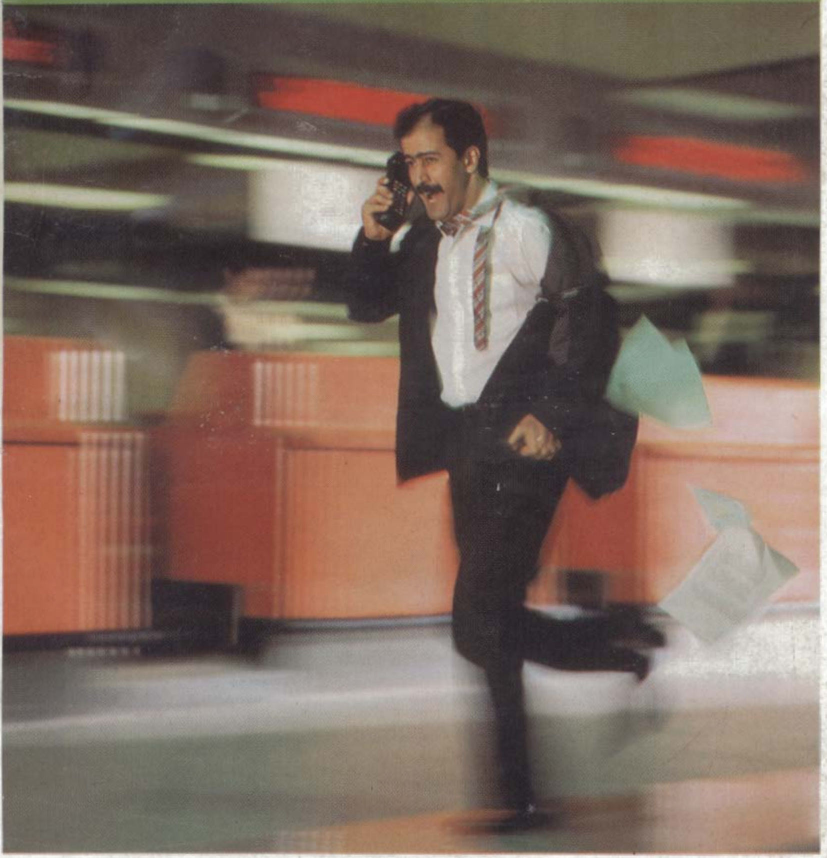

ان میں ہماری روزانہ ۴۷ بین الاقوامی پروازیں بھی شامل کیجئے تو ہم ہی آپ کو روزانہ دوسروں سے کہیں زیادہ مقامات تک پروازیں فراہم کرتے ہیں۔ خاص طور پر ہمارے اندرون ملک دائرۂ پرواز کا مقابلہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ مثلاً صرف کراچی اور لاہور کے درمیان ہم روزانہ تقریباً سات پروازیں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ملک میں دیگر مقامات تک رسائی کے لئے ہم آپ کی سہولت کے مطابق ہر وقت تیار ہیں۔ پروازوں کا وسیع ترین دائرۂ کار ہمارے ساتھ سفر کا ایک اور جواز۔

PIA
پاکستان انٹرنیشنل